اہلحدیث

کے

امتیازی مسائل

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ

(م ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء)

مکتبہ دار الحدیث

راجووال ضلع ساہیوال

فَاسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله

اہلحدیث کے امتیازی مسائل

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

ناشر

مکتبہ دار الحدیث رجسٹرڈ منڈی راجووال
ضلع ساہیوال

طبع ثانی

نام کتاب ---------- اہلحدیث کے امتیازی مسائل

نام مصنف ---------- حضرت حافظ عبداللہ محدث روپڑی

ترتیب وتبویب ---------- ناظم دارالحدیث رجسٹرڈ راجووال ضلع ساہیوال

تاریخ اشاعت ---------- رجب ۱۳۹۲ھ / اگست ۱۹۷۲ء

کتابت ---------- خبیب احمد سلیم مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

مطبع ---------- المکہ پریس ۵ تاج ... لاہور

قیمت ---------- ۶/- روپے (طلباء سے خصوصی رعایت)

صفحات ---------- ۱۱۶

ناشر

مکتبہ دارالحدیث راجووال ضلع ساہیوال

ملنے کے پتے

- حافظ مقبول احمد پاکستانی سعودی عرب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ۔ ص ۔ ب ۱۸۵
- جناب حافظ ثناءاللہ فاضل مدینہ یونیورسٹی جامع قدس اہلحدیث چوک دالگراں لاہور
- محترم عبدالقادر صدیقی محمدی مسجد برنس روڈ کراچی نمبر ۱
- مدرسہ دارالحدیث راجووال ضلع ساہیوال
- مولانا محمد صادق: ناظم مدرسہ تعمیرالاسلام کھنڈا موڑ ضلع شیخوپورہ
- محترم سلیم عزیز خطیب جامع اہل حدیث کالج روڈ پاکپتن ضلع ساہیوال
- حافظ احمد شاکر، مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور ۲
- جناب نذیر احمد سبحانی ادارہ ترجمان السنہ ایبک روڈ انارکلی لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد

عرضِ ناشر

حضرات! کسی کو دین اور دینی علوم و معارف کتاب و سنت کی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور خدمت حدیث کی توفیق سے نوازنا اور اسے قبولیتِ عامہ سے سرفراز کرنا، یہ خدا تعالیٰ کا خاص الخاص احسان ہے۔ یہ بندۂ حقیر پر تقصیر کی ایک عرصہ سے قلبی تمنا اور دلی آرزو تھی کہ اس دورِ پُر آشوب میں جبکہ الحاد و زنادقہ کی فتنہ سامانیاں نقطۂ عروج پر ہیں، اپنے بزرگانِ دین اور سلف صالحین کے رشحاتِ قلم اور ان کے علمی، تحقیقی اور دینی شاہکار ایک نظم کے تحت زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے شائقین و قدردان حضرات تک پہنچائے جائیں کیونکہ اسلاف اور بزرگانِ دین نے جس اخلاص، دردمندی، سوز و درد، تحقیق و تدقیق اور فاضلانہ و عالمانہ انداز میں مسائل پر قلم اٹھایا وہ صرف ان کا ہی حصہ اور خاصا تھا، لیکن ہنگامی مشکلات اور وقتی موانعات اس عزمِ راسخ کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہے خواہش اور کوشش کے باوجود اس عزم کو جامۂ عمل نہ پہنا سکا اور اس حسین علمی و دینی خواب کی تعبیر نہ کر سکا تاآنکہ اب یہ فیصلہ کر کے حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مدظلہ مدیر المکتبۃ السلفیہ لاہور کی خدمتِ اقدس میں پہنچا اور اپنے خیالات ان کے سامنے پیش کیے اور ان سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا۔ مولانا بھوجیانی مدظلہ العالی نے فرمایا،

اس مصلحت پرستی و مادیت زندگی کے دَور میں مسلکِ اہلحدیث میں خاصی لچک پیدا کی جا رہی ہے۔ اس کے واضح مسلک میں خاصی کانٹ چھانٹ کا مرض پروان پا رہا ہے۔ حالانکہ مسلک اہلحدیث واضح و آشکار اور ٹھوس مسائل کا نام ہے جو وقتی مصلحتوں اور ہنگامی مفاد پرستیوں سے اعلیٰ و بالا ہے اس لیے اس کی خدمت کرنا اور اس کی تبلیغ و اشاعت وقت کا اہم ترین تقاضا اور عصرِ حاضر کی اشد ضرورت ہے۔

اس کے لیے شیخ التفسیر حضرت مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اہلحدیث کے امتیازی مسائل" زیادہ مفید ہے۔ یہ کتاب آج کل نہ صرف متاعِ گراں بلکہ جنس نایاب ہے اس کی طباعت وقت کے

بہت بڑی ضرورت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس باب میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو جو جامعیت، تحقیقی رفعت اور علمی سربلندی حاصل ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رہوارِ قلم علم وفضل تحقیق و دانش کے لولوئے لالہ لٹاتا اور علم کے موتی بکھیرتا ہے اور حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو علومِ قرآن اور معارفِ سنت میں جو ژرف نگاہی اور مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔ اس سے ملک بھر کے اہلِ علم باخبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس دورِ نامساعد میں جب کہ مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے اس گوہرِ علمی کو زیورِ طباعت سے مزین کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس سلسلہ میں حضرت الاستاذ مولانا عطاء اللہ حنیفؔ بھوجیانی مدظلہ العالی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس عاجز کی درخواست پر حضرت حافظ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالاتِ زندگی سپردِ قلم فرمائے اسی طرح مناظرِ اسلام حضرت مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی مدظلہ العالی تشکر وامتنان کے حقدار ہیں جنہوں نے کمال شفقت سے کام لیتے ہوئے کتاب کی طباعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ ناسپاسی ہوگی اگر میں فاضل محترم مولانا حافظ ثناء اللہ فاضل مدینہ یونیورسٹی (جو حضرت حافظ صاحبؒ کے شاگرد خاص ہیں) جنہوں نے اس کی تصحیح میں میری مدد فرمائی، ان کا شکریہ ادا نہ کروں۔ رفیقانِ مکرم مولانا محمد صدیق سلیم اور مولینا عبدالرشید سلیم مدرسینِ دارالحدیث راجووال، کا بھی شکر گزار ہوں جن کا تعاون مجھے ہر وقت حاصل رہا۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے حسنِ قبولیت سے نوازے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ، ناشر، معاونین مشیرین، قارئین، مستفیدین، سب کے لیے اسے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

والسلام مع الاکرام

بندہ احقر الخلائق :-

طالب الدعوات ابوالسلیم غفرلہ الکریم محمد یوسف خادم دارالحدیث راجووال

۷/رجب ۱۳۹۲ھ/۱۷/اگست ۱۹۷۲ء ضلع ساہیوال

(بروز جمعرات)

نوٹ:۔ قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ جو خامی یا غلطی آپ کو اس میں نظر آئے۔ اس سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(طبع ثانی)

رسالہ "اہل حدیث کے امتیازی مسائل" کی وجۂ تالیف حضرتِ مؤلفؒ نے اپنے دیباچہ میں بیان فرما دی ہے کہ اس میں نماز سے متعلقہ اُن پندرہ مسائل پر دلائلِ صحیحہ کی روشنی میں بحث کی گئی ہے جن کے بارے میں ان کے ایک معاصر، پیرِ طریقت حنفی فقیہ نے اپنے رسالہ "الاقتصاد" میں جماعت اہل حدیث کو "یکے از فتنِ عظیمہ فتنۂ تقلید و اجتہاد (ص۲) کا ملزم گردانتے اور فقہ حنفی کی بھرپور نمائندگی کرتے ہوئے اہل حدیث کے طرزِ فکر و عمل کی تغلیط کی سعی فرمائی ہے نیز ان مسائل کے باعثِ انتخاب میں یہ تأثر دیا ہے کہ (اہل حدیث کی طرف سے) "ان میں شور و شغب زیادہ ہے۔" (الاقتصاد ص۴۲ طبع دیوبند) اور اس طرح خود ہی ان مسائل کو اہل حدیث کی نسبت سے "امتیازی حیثیت" کی سند بخش دی گئی ہے۔ جس زمانے میں رسالہ "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" کی تالیف اور اشاعت کا چرچا ہوا (آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل) تو ضرورت محسوس کی گئی کہ مسئلہ تقلید پر اجمالی تبصرہ کے بعد موصوف کے پیش کردہ اُن امتیازی مسائل کی تحقیق کر کے تصویر کے دوسرے رخ کی بھی وضاحت کر دی جائے تاکہ صحیح و غلط کے امتیاز میں انصاف پسندوں کو آسانی ہو سکے۔

چنانچہ ہماری جماعت کے ایک محقق بزرگ حضرت مولانا حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورۃ الصدر عنوان سے بڑے احسن طریقے سے اسلام کی یہ خدمت ———— سرانجام دی، مندرجات رسالہ کی ہر جزئی سے ہر شخص کا توافق ضروری نہیں لیکن طرزِ تخاطب سلجھا ہوا، اندازِ تحقیق متین اور سلیس مباحث مختصر لیکن پُرمغز اور جامع ایسے اوصاف ہیں جن کے باعث، اپنے موضوع پر بعض حیثیتوں سے اس رسالہ کو منفرد کہا جا سکتا ہے۔

یہ رسالہ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر مدتِ مدید سے تقریباً ناپید چلا آ رہا ہے جبکہ

"الاقتصاد" عموماً بازار میں دستیاب رہا۔ اور یہ مسائل بھی ایسے ہیں کہ ان کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے جس کی وجہ سے شائقین ہمیشہ اس سالکی تلاش میں رہے۔ بارے الحمد للہ کہ توفیقِ الٰہی سے محبّ مکرم مولٰنا محمد یوسف صاحب مہتمم دارالحدیث راجووال وَفَّقَهُ اللّٰهُ وَاِیَّایَ لِمَا یُحِبُّهٗ وَیَرْضَاهُ نے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور اچھے طریقے سے اس کو نبھایا اور پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَنَفَعَ بِهٖ

اس اشاعت میں حضرت المؤلف العلام نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ کے حالات جس قدر مل سکے جیسے کیسے ہو سکا احقر راقم نے شروع میں لکھ دیے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جدید تقاضوں کے مطابق حضرت مرحوم و مغفور کی مفصل سوانح حیات مرتب کی جائے جو ان کی علمی شخصیت کے شایانِ شان ہو۔ واللہ الموفق

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص و عمل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ اس کتاب سے اپنے بندوں کو نفع بخشے، حضرت مؤلفؒ کو ثوابِ جاری اور ناشر کو اجرِ جزیل سے نوازے۔ والحمد للہ اولا و اخرا

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا

بندۂ فانی:-

خاکسار محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

عفی اللہ عن ذنوبہ الاقاصی والادانی مدیر المکتبۃ السلفیہ لاہور

رجب ۱۳۹۲ھ / اگست ۱۹۷۲ء

مختصر حالات

حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی نور اللہ مرقدہ

حضرت العلام موصوف کا شمار جماعت اہل حدیث کی حالیہ تاریخ کے ان ممتاز علماء و فضلاء میں ہوتا ہے جنہیں آسمانِ شہرت کے درخشندہ ستارے کہا جا سکتا ہے۔ حافظ صاحب کو علومِ قرآنِ کریم اور علومِ حدیث کے علاوہ فقہ و اصولِ فقہ، صرف و نحو، معانی و ادب، عقائد و کلام اور فنونِ حکمت (منطق و فلسفہ وغیرہ) میں تدریساً و تحریراً یدِطولیٰ حاصل تھا اور فقہ الحدیث میں یک گونہ مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے جیسا کہ آپ کے سینکڑوں فتاویٰ سے جو مختلف دینی مسائل پر مشتمل ہیں، اندازہ ہوتا ہے۔ ذوقِ عبادت میں صائم الدہر (مطابق سنت) اور شب زندہ دار، وضع و لباس میں سادگی شعار، خاموش طبع لیکن جذبۂ تبلیغ سے سرشار، وعظ پُرتاثیر، مدلل اور سنجیدہ بحث و تحریر، عقائدِ سلف صالح میں چٹانِ ناقابلِ تسخیر۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

آپکے والد میاں روشن دین صاحب رحمہ اللہ موضع کمیر پور ضلع امرت سر (مشرقی پنجاب) کے متوسط قسم کے زمیندار تھے۔ جہاں ۱۳۰۲ھ/۸۵-۱۸۸۴ء میں حافظ صاحب پیدا ہوئے۔ موضع ڈڈ تحصیل چونیاں ضلع لاہور میں تعلیم کی ابتداء ہوئی۔ مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ ساکن ذخیرہ چھانگا مانگا ضلع لاہور سے قرآن پاک کے آٹھ پارے حفظ کیے۔ اس کے بعد میاں روشن دین مرحوم نے اپنے ہونہار لڑکے کو حضرۃ الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مدرسہ غزنویہ امرت سر بھیج دیا۔ جو ان دنوں اعلیٰ درجہ کی علمی دینی اور عملی تربیت گاہ تھی۔

خود نوشت اجمالی تعلیمی سرگزشت

حافظ صاحب رحمہ اللہ کے تعلیمی حالات تفصیلاً مہیا نہیں ہو سکے۔ البتہ ایک مقام پہ بر سبیل تذکرہ خود جو کچھ

لکھا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

"میں نے تفسیر، حدیث اور فنون کی کتابیں امرتسر مدرسہ غزنویہ وغیرہ میں پڑھیں۔ فنون کی تکمیل باقی تھی۔ اس سلسلہ میں عزم دہلی ہوا (حضرت) میاں صاحب (مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ) میرے دہلی پہنچنے سے آٹھ سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ میں ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء کو دہلی پہنچا اور ان کی وفات ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔

میں نے دہلی میں تقریباً تین سال قیام کیا...... ۱۹۱۳ء کے اخیر میں یکایک مولانا عبدالجبار غزنوی مرحوم کی خبرِ وفات پہنچی۔ چونکہ شروع سے میرے مربّی وہی تھے۔ تقریباً دس سال کی عمر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سات آٹھ سال ان کے پاس گزارے۔ ظاہری و باطنی فیوض پائے۔ دینیات کی تکمیل کر کے سند لی۔ ان کی جدائی کا صدمہ میرے لیے خصوصیت سے ناقابلِ برداشت تھا۔ رضا بالقضا کا مسئلہ دل کی ڈھارس بنا اور طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا لیکن جی اداس اداس رہتا۔ اس لیے طبیعت نے فیصلہ کیا کہ جلد واپس ہونا چاہیے۔ فنون کی کچھ کتابیں باقی تھیں۔ دہلی میں ان کی تکمیل جلد نہ ہو سکنے کی وجہ سے ریاست رام پور (ہند) چلا گیا وہاں مدرسہ عالیہ (نواب صاحب رامپور) میں ایک سال تعلیم پائی۔ اور وہیں مولوی فاضل اور درسِ نظامی کی دو ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۱۴ء میں فارغ ہو کر امرتسر آیا اور اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں روپڑ متیم ہو گیا۔" (دیباچہ رسالہ ارسال الیدین لعد الرکوع ص۳،۴)

دہلی میں

کس کس سے کیا کیا پڑھا؟ اس سلسلے میں صرف اتنا پتہ چل سکا ہے کہ دہلی کے مشہور مولانا اسحاق منطقی بھی آپ کے ایک استاذ تھے۔

سندِ اجازت

علاوہ ازیں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادیؒ سے بھی آپ کو حدیث شریف کی سند اجازت حاصل تھی۔

روپڑ

ضلع انبالہ (ہند) ان دنوں تبلیغی اور دینی اعتبار سے پسماندہ تھا۔ اس وسیع و عریض علاقہ میں تبلیغِ توحید

وسنت کی سخت ضرورت تھی۔ حافظ صاحبؒ کی مساعی سے وہاں مدرسہ اہلحدیث قائم ہوا جس سے علاقہ میں مسلک اہلحدیث کی ترقی کے علاوہ دور دراز کے بہت سے لوگ بھی فیض یاب ہوئے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تالیف و اشاعت کا کام بھی کیا جاتا رہا۔ تبلیغی و تنظیمی مقاصد کے لیے پندرہ روزہ "تنظیم اہلحدیث" جاری کیا۔ آپ ہی جس کے ایڈیٹر تھے۔ کچھ مدت کے بعد یہ اخبار ہفت روزہ ہو گیا تھا۔

جریدہ "تنظیم اہلحدیث" کی سب سے بڑی خصوصیت حضرتِ مدیر کے وہ فتاویٰ تھے جو سلیس عبارت میں تحقیق و تدقیق کے حامل، مجتہدانہ استدلال پر مشتمل اور وسعتِ معلومات کا گراں بہا ذخیرہ ہوتے تھے دراصل یہی فتاویٰ اس جریدہ کی جان تھے گو اس دور کی فضا کے مطابق مضامین پر عموماً مناظرانہ چھاپ ہوتی تھی۔

"روپڑی" کا لاحقہ

روپڑ اور اس کے نواح میں کئی سال ٹھوس علمی اصلاحی اور تبلیغی کام کرنے کے سبب ہی شاید "روپڑی" آپ کے نام کا لاحقہ بن گیا۔ حالانکہ اصلاً آپ کمیرپوری تھے اور خود کو امرتسری لکھا کرتے تھے۔

امرتسر میں

قیامِ پاکستان سے دس پندرہ سال کے لگ بھگ روپڑ کا کام اپنے برادرزادہ حافظ عبدالقادر صاحب کے سپرد کر کے خود امرتسر مسجد مبارک میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

جمعیت تنظیم اہلحدیث (متحدہ) پنجاب

اس عنوان سے ایک جماعت ۱۹۳۱ء میں آپ کی مساعی سے تشکیل کی گئی۔ حضرت سید محمد شریف صاحبؒ (ساکن گھڑیالہ (ہند) سابق ضلع لاہور) جس کے امیر اور مولانا قاضی عبدالرحیم صاحبؒ (گوجرانوالہ) ناظم اعلیٰ منتخب کیے گئے اور صدر دفتر (یادش بخیر حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں) گوجرانوالہ قرار پایا تھا۔ اخبار "تنظیم اہلحدیث" جمعیت تنظیم اہلحدیث کا ترجمان بنا دیا گیا تھا

دارالحدیث رحمانیہ

حافظ صاحبؒ کی زندگی کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ تقسیمِ ہند و پاک تک آپ جماعت اہل حدیث کے عظیم ادارۂ تعلیم "مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ" دہلی کے ممتحن اعلیٰ رہے۔ اس دوران مدرسہ رحمانیہ کے تحریری اور تقریری سالانہ امتحانات اعلیٰ معیار پر ہوتے تھے۔ نہایت مثمر نتائجِ تعلیم کی وجہ سے مہتمم

مدرسہ شیخ عطاء الرحمن صاحب مرحوم کا حافظ صاحبؒ کو نہایت اعتماد حاصل تھا۔

پاکستان

بننے کے بعد ۱۹۴۷ء میں حافظ صاحب لاہور آ گئے۔ چوک دالگراں میں مسجد قدس تعمیر کرانی شروع کر دی۔ پھر سے مدرسہ اہل حدیث قائم کیا جس میں تدریسی فرائض خود ہی انجام دیتے تھے بلکہ خاص طریقے سے پورے قرآن کا ترجمہ بھی چند سال پڑھایا۔ افتاء نویسی کا سلسلہ اور اخبار "تنظیم اہل حدیث" بھی جاری کر دیے گئے اور اس طرح حسب سابق تدریسی تبلیغی اور تالیفی مشاغل میں آخر تک بہت انہماک سے مصروف رہے۔

شیوخ

حافظ صاحبؒ کے مندرجہ ذیل اساتذہ کا پتہ چل سکا ہے:۔

حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی بن العارف باللہ مولانا عبداللہ غزنویؒ

مولانا فضل حق رام پوریؒ

مولانا محمد اسحاق منطقی دہلویؒ

استاذ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادیؒ

تلامذہ

حضرتؒ سے جن لوگوں نے استفادہ کیا، ان کی فہرست طویل ہے۔ چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔ ——— شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کے بھائی مولانا حافظ محمد حسین صاحب روپڑیؒ۔ (اور بھتیجے) مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب روپڑی۔ مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی۔ مولانا قادر بخش بہاولپوری۔ شیخ عبداللہ ابیض نجدی۔ مولانا حکیم محمد اشرف سندھو۔ مولانا محمد صدیق صاحب سرگودھوی۔ مولانا محمد یوسف صاحب راجووال۔ مولانا عبدالسلام صاحب کیلانی فاضل مدینہ یونیورسٹی۔ مولانا حافظ ثناء اللہ صاحب کلسوی (فاضل مدینہ یونیورسٹی) حافظ مقبول احمد صاحب کلسوی وغیرہم وکثیر ما ہم۔

تالیفات

فتاویٰ "تنظیم اہل حدیث" کے اداریوں کے علاوہ جن مستقل مطبوعہ کتب و رسائل وغیرہ پہ

راقم کو اس وقت تک اطلاع ہو سکی ہے۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب (عربی)
۲۔ توحید الرحمٰن بجواب استمداد از عباد الرحمٰن (مکمل قلمی)
۳۔ درایت تفسیری
۴۔ اہل سنت کی تعریف
۵۔ اہل حدیث کی تعریف (دو حصہ)
۶۔ اطفار الشمعہ فی ظہر الجمعہ (چہار حصہ)
۷۔ تحقیق التراویح
۸۔ نبی معصوم
۹۔ تقلید علماء دیوبند
۱۰۔ نکاح شغار
۱۱۔ زیارتِ قبرِ نبوی
۱۲۔ وسیلہ بزرگان
۱۳۔ ردِّ بدعات
۱۴۔ اہل حدیث کے امتیازی مسائل (یہی جو آپ کے ہاتھ میں ہے)
۱۵۔ بکرا دیوی
۱۶۔ المرشد والامام
۱۷۔ تعلیم الصلوٰۃ (دو حصہ)
۱۸۔ حج مسنون
۱۹۔ آمین در رفع یدین
۲۰۔ تکبیراتِ عیدین
۲۱۔ ارسال الیدین بعد الرکوع
۲۲۔ رسالہ نیتِ نماز اور وتر
۲۳۔ مرزائیت اور اسلام
۲۴۔ سود در بینک اور احادیثِ نبویہ
۲۵۔ اسلامی ڈاڑھی
۲۶۔ انسانی زندگی کا مقصد
۲۷۔ وراثتِ اسلامی
۲۸۔ شرکیہ دم جھاڑ اپر فیصلہ کن بحث
۲۹۔ بیمہ زندگی
۳۰۔ لاؤڈ سپیکر اور نماز
۳۱۔ رویتِ ہلال
۳۲۔ حکومت اور علماء ربانی
۳۳۔ امامتِ مشرک (بصورت اشتہار)
۳۴۔ طیور ابراہیمی (بصورت اشتہار)
۳۵۔ کلمۂ توحید (" ")
۳۶۔ نکاح و نسوانیت
۳۷۔ ارشاد الوریٰ فی جمعۃ القریٰ (عربی)
۳۸۔ سماع موتیٰ
۳۹۔ رسالہ امارت
۴۰۔ شرعی نظام
۴۱۔ نور محمدی کی پیدائش
۴۲۔ طلاقِ ثلاثہ

غیر مطبوعہ

معلوم ہوا ہے کہ حضرتؒ نے قرآن مجید کی اردو تفسیر[۴۳] بھی شروع کر رکھی تھی جو دو پارہ تک ہی پہنچ سکی۔ مشکوٰۃ شریف[۴۴] کا اردو ترجمہ و حواشی بھی کتاب القدر تک لکھ لیے تھے ان کے علاوہ مولانا سرفراز صاحب کی سورۂ فاتحہ خلف الامام کے خلاف کتاب "احسن الکلام" کا بھی جواب[۴۵] حضرت نے لکھا تھا جو تکمیل کے مراحل میں رہ گیا۔ نیز "رسال الیدین فی الرکوع" کے جواب "الدلیل التام" کے جواب میں "رفع الابہام"[۴۶] تالیف فرمایا جو غالباً "تنظیم اہل حدیث" میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے، الگ طبع نہیں ہوا۔

وفات

چند یوم علیل رہ کر حضرت حافظ صاحبؒ بروز جمعرات بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ (۲۰ اگست ۱۹۶۴ء) کو تقریباً اسی[۸۰] برس کی بابرکت عمر پاکر لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اور گارڈن ٹاؤن کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیے گئے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اللہ تعالیٰ جنت میں درجاتِ بلند عطا فرمائے اور اخلاف کو ان کے نقوش پاحسنہ پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

دیباچہ

(طبع اوّل)

مولوی اشرف علی تھانویؒ ضلع مظفر نگر نے مسئلۂ تقلید میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "الاقتصاد فی التقلید و الاجتہاد"۔ اس رسالہ میں سات مقصد ہیں جن میں طول طویل بحث کر کے مسئلۂ تقلید ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور آخر میں ایک خاتمہ ہے جس میں چند اختلافی مسائل ذکر کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حنفی مذہب کے کل مسائل بالکل قرآن و حدیث کے موافق ہیں۔ چونکہ مولوی اشرف علی صاحبؒ نے اس رسالہ میں بہت افراط تفریط سے کام لیا ہے اس لیے میں نے چاہا کہ اصل بات کو ظاہر کر دوں۔ سو الحمد للہ میں اس میں کامیاب ہوا "تعریفِ اہلحدیث" ایک رسالہ لکھا جس میں تعریفِ اہلحدیث کے علاوہ مولوی اشرف علیؒ کے سات مقصدوں پر مفصل بحث کی جس میں ہر ایک بات کا ترکی بہ ترکی جواب دیا لیکن وہ بوجہ لمبا ہونے کے جلد طبع نہیں ہو سکتا۔ نیز اس میں بعض علمی مضامین بھی ہیں جو قدرے مشکل ہیں اور شاید لمبا ہونے کی وجہ سے کسی کا جی بھی اکتائے اس لیے میں نے چاہا کہ بطور ناشتہ کے عجالۂ نافعہ ہدیۂ ناظرین کر دوں یعنی مختصر سی بحث جس میں مسئلۂ تقلید پر اجمالی بحث ہو اور خاتمہ میں جتنے مسائل ہیں ان پر تفصیلی بحث ہو جس کے ضمن میں ہر ایک مسئلہ پر اتنی روشنی ڈالی جائے جس سے حقیقتِ حال واضح ہو کر حق و ناحق کا امتیاز ہو جائے اسی لیے میں نے اس کا نام رکھا ہے "اہلحدیث کے امتیازی مسائل"۔ گویا یہ رسالہ مذہبِ اہلحدیث کی پوری دستاویز ہے جس کے اندر دو باتیں ہیں، ایک تو مذہبِ اہلحدیث کے مسائل۔ دوم مخالفین کے جواب۔ سو خدا سے دعا ہے کہ اس کو مقبولِ عام کرے اور مجھے اخلاص بخشے۔ آمین اللھم اجعل اعمالنا کلھا صالحۃ و اجعلھا لوجھک خالصۃ ولا تجعل لاحد فیھا شیئا ـــــــــــــــ

مسئلہ تقلیدِ شخصی

مولوی اشرف علی صاحبؒ تقلیدِ شخصی کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ وجوب کی دلیل یہ دی ہے کہ:۔

"بوجہ فساد طبائع کے آزادی بہت ہو گئی ہے اس آزادی کی روک تھام اور اصلاحِ طبائع کی صورت یہی ہے کہ ایک امام کی تقلید کی جائے۔ اگر ایک امام کی تقلید نہ کی جائے، تو تین صورتیں پیش آئیں گی۔ یا تو اجتہاد کی [1] اجازت دی جائے۔ یا کسی مسئلہ میں کسی [2] امام کے قول پر عمل کیا جائے اور کسی مسئلہ میں کسی امام کے قول پر۔ یا بیکار [3] بیٹھا رہے۔ اخیر صورت تو جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ○ یعنی کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم نے اس کو بیکار پیدا کیا؟ دوسری صورت بھی جائز نہیں کیونکہ بعض دفعہ تو اس میں اجماع کی مخالفت لازم آئے گی مثلاً وضو کیا پھر شہوت سے عورت کو ہاتھ لگایا تو کہا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کا قول لیتا ہوں کہ ان کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا پھر خون نکلوایا تو کہا میں امام شافعیؒ کا قول لیتا ہوں کہ ان کے نزدیک خون سے وضو نہیں ٹوٹتا پھر اسی وضو سے نماز پڑھ لی تو یہ نماز بالاجماع نہ ہوئی کیونکہ یہ وضو کسی مذہب پر صحیح نہیں۔ امام شافعیؒ کے مذہب پر تو اس لیے صحیح نہیں کہ عورت کو شہوت سے ہاتھ لگا لیا ہے اور ان کے نزدیک عورت کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس لیے صحیح نہیں کہ خون نکلوایا ہے اور ان کے نزدیک خون —— سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور بعض دفعہ اجماع کی مخالفت تو لازم نہیں آئے گی لیکن بوجہ غلبہ غرض پرستی کے ہر مذہب کی وہ بات لے گا جو اس کی خواہش نفسانی کے موافق ہو گی۔ پس اس میں کئی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ ایک دین کو ہوا کے تابع کرنا۔ دوسرے نیت کا خالص نہ ہونا۔ تیسرے اس آزادی کا خوگر ہوتے ہوتے فروع سے اصول کی طرف جا پہنچے گا۔

جس میں اس کے دین کا ضرر ہے۔ بغرض دوسری صورت میں اس قسم کی خرابیاں ہیں تو وہ بھی جائز نہیں۔

رہی پہلی صورت تو اس میں پرلے درجہ کی آزادی ہے کیونکہ کئی اپنے کو مجتہد سمجھ کر قیاس کریں گے اور کہیں گے کہ جب پہلے مجتہدین نے اجتہاد کیا تو ہم کیوں اجتہاد نہ کریں۔ بس اجتہاد کر کے قرآن و حدیث کے معانی ایسے اُلٹ پُلٹ بیان کریں گے جو اجماع کے خلاف ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ اصلاحِ طبائع کی صورت ایک ہی ہے کہ ایک امام کی تقلید کی جائے جس کو تقلیدِ شخصی کہتے ہیں۔ پس تقلیدِ شخصی کا وجوب ثابت ہوگیا۔"

یہ مولوی اشرف علیؒ کی تقریر کا خلاصہ ہے۔ اس میں مولوی اشرف علی نے یہ جو کہا ہے کہ اگر تقلید نہ کی جائے تو تین صورتیں پیش آئیں گی۔ پھر ہر ایک صورت میں نقص بتلایا ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے "تینوں میں سے جو چاہے اختیار کرے کسی میں نقص نہیں۔ پہلی میں نقص نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ جب اجتہاد کرنے کے لیے پہلے مجتہدین کی سند پکڑے گا تو اجماع کی مخالفت نہیں کر سکتا، کیونکہ پہلے مجتہدین نے کبھی ایسا اجتہاد نہیں کیا جو اجماع کے خلاف ہو خصوصاً جبکہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اجماع حجت ہے اس کی مخالفت جائز نہیں، پس ضرور ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں اجماع کی رعایت رکھے اور تیسری صورت میں بھی نقص نہیں کیونکہ دارمی صـ۲۱ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

فَاِنْ جَآءَكَ مَا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ اَحَدٌ قَبْلَكَ فَاخْتَرْ اَيَّ الْاَمْرَيْنِ شِئْتَ اَنْ تَجْتَهِدَ رَأْيَكَ ثُمَّ تَقَدَّمْ فَتَقَدَّمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَتَاَخَّرَ فَتَاَخَّرْ وَلَا اَرَى التَّاَخُّرَ اِلَّا خَيْرًا لَّكَ (دارمی صـ۲۱)

یعنی اگر تیرے پاس ایسا مسئلہ آوے جو نہ کتاب میں ہو نہ سنت میں نہ پہلے تجھ سے اس میں کسی نے کلام کی ہو تو دو باتوں میں سے جو مرضی ہو پسند کر۔ اگر اجتہاد کرنا چاہے اجتہاد کر اگر پیچھے ہٹنا چاہے پیچھے ہٹ جا لیکن پیچھے ہٹنا میں تیرے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔

مولوی اشرف علی صاحب! اگر اجتہاد نہ کرنا مطلقاً بیکاری ہوتی تو حضرت عمرؓ نئے مسائل میں اس کو کیوں پسند کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ آیت کریمہ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى کا مطلب

ہی نہیں سمجھتے۔ اس آیت میں تو سُدیٰ کا معنے یہ ہے کہ اپنے آپ کو آزاد سمجھے جو مرضی کرے جو مرضی ہے نہ کرے۔ کسی طرح کے حساب کتاب کا فکر نہ رکھے۔ ایسے شخص کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا وہ گمان کرتا ہے کہ بیکار پیدا ہوا؟

مولوی اشرف علی کی عجیب حالت ہے کہ ویسے نام کے تو مقلد ہیں لیکن تقلید پر استدلال کرتے وقت غیر مقلد بن جاتے ہیں۔ بتلایئے کیا امام ابو حنیفہ صاحبؒ نے اس آیت سے اس قسم کا استدلال کیا ہے؟ پھر آپ کا اپنے طور پر استدلال کرنا تقلید ہوئی یا غیر تقلید؟

اس کے علاوہ اور سنیئے، توضیح تلویح کے صہ ۱۵ میں ہے کہ:۔

"امام مالکؒ سے چالیس مسئلوں کا سوال ہوا تو چار کا جواب دیا اور ۳۶ سے لاعلمی ظاھر کی ———"

اور رد المختار جلد ۳ صہ ۱۱ میں ہے کہ:۔

"امام ابو حنیفہ صاحبؒ کو چودہ مسئلوں کا جواب نہیں آیا۔"

اب بتلایئے کہ یہ دونوں امام ان مسائل میں جو ان کو سمجھ نہیں آئے کیا کرتے تھے؟ پس جو کچھ یہ کرتے تھے وہی کچھ اجتہادی مسائل میں وہ شخص کرے گا جو اجتہاد مدام کرے گا۔ یعنی سکوتِ محض کرے گا، جیسے ان اماموں نے کیا۔ فافہم۔

رہی دوسری صورت سو اس میں بھی نقص نہیں کیونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ خیر القرون میں تقلید نہ تھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ صہ ۱۲۲ میں لکھتے ہیں:۔

اِعْلَمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا قَبْلَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ غَيْرُ مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى التَّقْلِيْدِ الْخَالِصِ لِمَذْهَبٍ وَّاحِدٍ

یعنی چوتھی صدی سے پہلے لوگ تقلید شخصی پر جمع نہ تھے۔

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صہ ۶۲۳ میں ہے:۔

اَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلٰى اَنَّ مَنِ اسْتَفْتٰى اَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ اَمِيْرَيِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهٗ اَنْ يَّسْتَفْتِيَ اَبَا هُرَيْرَةَ وَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ وَغَيْرَهُمَا وَيَعْمَلَ بِقَوْلِهِمْ مِّنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ ———

یعنی صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فتوے پوچھے وہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل سے بھی پوچھ کر عمل کر سکتا ہے۔

ابن الہمام تحریر کے آخیر میں لکھتے ہیں :۔

كَانُوا يَسْتَفْتُونَ مَرَّةً وَاحِدًا وَمَرَّةً غَيْرَهُ غَيْرَ مُلْتَزِمِيْنَ مُفْتِيًا وَّاحِدًا ۔

یعنی کبھی کسی مفتی سے مسئلہ پوچھتے کبھی کسی سے، ایک مفتی کا التزام نہ تھا۔ (انصاف ص۵۸)

جب فتوے کے لیے کوئی معین نہیں تھا تو اب ایک شخص نے مثلاً وضو کیا پھر نکسیر پھوٹی، اس وقت ابن عباسؓ پاس تھے ان سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا وضو نہیں ٹوٹا کیونکہ ان کے نزدیک نکسیر پھوٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پھر بیٹھے بیٹھے نیند آگئی اور اس وقت ابن عمرؓ پاس تھے ان سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا وضو نہیں ٹوٹا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایسی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پھر اسی وضو سے نماز پڑھ لی تو مولوی اشرف علیؒ کے قاعدے سے تو یہ نماز باطل ہونی چاہیے کیونکہ ابن عباسؓ اور عمرؓ دونوں کے نزدیک یہ وضو ٹوٹ چکا ہے۔ ابن عباسؓ کے نزدیک تو اس لیے کہ وہ نیند کو مطلقاً ناقض قرار دیتے ہیں خواہ بیٹھے آئے یا لیٹ کر اور ابن عمرؓ کے نزدیک اس لیے کہ ان کے نزدیک نکسیر پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس زمانہ کا دستور بتلا رہا ہے کہ یہ نماز صحیح ہے کیونکہ جب فتوے کے لیے کوئی معین نہیں تھا تو مختلف اصحاب سے فتوے پوچھنے کا اتفاق پڑنا ایک معمولی بات تھی، تو اب بتلایئے کہ ہم مولوی اشرف علیؒ کی مانیں یا صحابہ کے زمانہ کا دستور برتیں؟ خدا جانے ہمارے مقلد بھائی تقلید کی خاطر کہاں کہاں سے قاعدے گھڑ لاتے ہیں حالانکہ خیرالقرون میں ان کا نام و نشان نہ تھا اور ایک طرح سے یہ ٹھیک بھی ہے کیونکہ جب تقلید ہی خیر قرون میں نہ تھی تو جن اصول و قواعد سے وہ ثابت کی جائے گی وہ بھی ضرور بعد کے ہوں گے لیکن ایک بات پر یہاں تعجب آتا ہے کہ مسلم الثبوت وغیرہ میں لکھا ہے :۔

اَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهٗ قَوْلُ مُجْتَهِدِهٖ ۔ یعنی مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے۔

اس بنا پر چاہیے تھا کہ یہ لوگ تقلید کے ثبوت میں اپنے اماموں کے اقوال سے استدلال کرتے لیکن بجائے اس کے کہ اماموں کے اقوال پیش کریں اصول اور قواعد بھی خود ہی بنانے شروع ہو گئے۔ اب انصاف سے بتلایئے کہ یہ مقلد ہوئے یا پکے غیر مقلد؟ ؎

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر!

۱؎ ملاحظہ ہو نیل الاوطار اور کتاب الام وغیرہ

رہی یہ بات کہ اس صورت میں وہ ہر مذہب میں وہی بات لے گا جو اس کی خواہش کے موافق ہو گی، جس سے آگے کئی خرابیاں پیدا ہوں گی مثلاً نیت خالص نہ رہے گی اور فروعات میں خواہش کی اتباع کرتا کرتا اصول تک پہنچ جائے گا جو سراسر اس کے دین کے لیے مضر ہیں۔ سو اس کی بابت عرض ہے کہ ایسی خرابیاں تو ایک مذہب کی تقلید میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ ایک ایک مسئلہ میں ایک ایک امام کے کئی کئی قول ہوتے ہیں اور شاگردوں کا بھی آپس میں اختلاف ہوتا ہے تو بتلایئے اس وقت آپ کیا کریں گے؟ پس جو اس وقت کریں گے وہ ہی مختلف اماموں کے اقوال لینے کے وقت کریں مثلاً ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ:۔

"وضو کے مستعمل پانی میں امام ابو حنیفہؒ کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ پاک ہے، دوسری شئے کو پاک نہیں کرتا۔ دوسرا یہ کہ نجسِ خفیف ہے۔ تیسرا یہ کہ نجسِ غلیظ ہے۔"

اسی طرح مصر کی بابت بھی اختلاف ہے جو جمعہ کے لیے شرط ہے اب کوئی کسی کو ترجیح دیتا ہے کوئی کسی کو۔ اب تبلایئے جو خواہش کے تابع ہو گا اس کا آپ کیا علاج کر سکتے ہیں؟ خدانخواستہ کہیں آپ خواہش کا علاج کرتے کرتے مدلّہ ضروریاتِ دینیہ کو جواب نہ دے بیٹھیں۔ کیونکہ لوگ آج کل اگر دینی علم پڑھتے ہیں تو لوگوں میں عزت حاصل کرنے کے لیے، اگر زہد و تقویٰ کا سلسلہ جاری کرتے ہیں تو لوگوں میں عزت پیدا کرنے کے لیے اور مدارس قائم کرتے ہیں تو چندوں کے ذریعہ سے لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ غرض فساد طبائع کی وجہ سے اکثر اعمال میں خلوص نہیں رہا تو بتلایئے آپ ان اعمال کو جواب دیں گے یا ویسے ہی وعظ و نصیحت سے لوگوں کی اصلاح کریں گے؟ میرا تو آپ پر یہی حسنِ ظن ہے کہ ان اعمال کے ترک کا کبھی فتوےٰ نہیں دیں گے تو پھر آپ تقلید کی خاطر کیوں بے قرار ہو کر خیر قرون کی روش سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔ آپ ایسے طریق سے لوگوں کی کبھی اصلاح نہیں کر سکتے جو اسلام کے اندر داخل نہ ہو بلکہ ایسے طریق میں سراسر فساد کی زیادتی ہے۔ کیونکہ جب اسلام دنیا میں اصلاح ہی کی خاطر آیا ہے تو جو بات اسلام میں داخل نہ ہو گی بھلا اس سے اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے؟

پس ایسی کوئی بات پیدا نہ کرنی چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا خیر قرون سے ثابت نہ ہو خواہ اپنے خیال میں کیسی ہی اچھی معلوم ہو۔ کیونکہ ہم محکوم ہیں حاکم نہیں۔ پھر ہم اپنی طرف سے کوئی بات کیوں ایجاد کریں خصوصاً جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ — یعنی بڑی جماعت کی تابعداری کرو۔

اور ظاہر ہے کہ بڑی جماعت سے مراد صحابہ ہی کی جماعت ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے تھے میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی، سب آگ میں ہیں مگر ایک جنت میں ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون ہے؟ فرمایا:۔

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ ——— یعنی جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

اور بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہے وَ ھِیَ الْجَمَاعَۃُ یعنی یہی جماعت ہے [1]

اس سے معلوم ہوا کہ سنت جماعت وہی ہے جو اس زمانہ کی روش کو نہ بدلے کیونکہ وہ خیر قرون ہیں ان کی روش سے بڑھ کر اللہ کو کسی کی روش پسند نہیں [2]

اس کے علاوہ اور سنیے اللہ تعالیٰ ایک آیت میں فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

یعنی تورات کے بعد ہم نے زبور میں لکھا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اور ایک آیت میں ہے:۔

---

[1] ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الاعتصام وغیرہ

[2] **دفع دخل**۔ شاید کسی کے دل میں یہ شبہ گزرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرو تو گویا ان کی تقلید کا امر فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دو کی اتباع کا حکم ہے۔ دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خلفاءِ راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، جس میں باقی خلیفے بھی داخل ہیں اور قرآن مجید میں گیارہویں پارہ کے دوسرے رکوع میں ہے جو سابقین اولین مہاجرین انصار کی اتباع کریں ان سے اللہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ان سب کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے اقوال اور ان کی روش سے باہر نہ نکلے، تقلید شخصی کا حکم نہیں کیونکہ تقلید شخصی ایک کی ہوتی ہے نہ سب کی۔ اگر کسی صحابی کی تقلید کا حکم ہوتا تو ضرور خیر قرون میں حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کر کے بکری یا حضرت عمرؓ کی تقلید کر کے عمری یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کی تقلید کر کے عثمانی یا علوی کہلاتے۔ بلکہ خیر قرون میں اس کا عام رواج ہوتا مگر نہیں ہوا۔ تقلید شخصی چوتھی صدی میں آکر پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ ابھی گزرا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تقلید شخصی اسلام میں داخل نہیں۔ فافہم

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

یعنی ایمان والوں کو تم سے خلیفہ بنائے گا جیساکہ پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ وعدہ اور پیشن گوئی اس امت میں پہلے پہل صحابہ کے ہاتھ پر پوری ہوئی کیونکہ پہلے پہل زمین کے وارث اور خلیفہ وہی بنے ہیں۔ پس اب تبلائیے جو شخص صحابہ جیسے نیکوں اور ایمانداروں کی روش کو بدلے وہ کون ہوا؟

خلاصہ یہ کہ تقلیدِ شخصی خیر قرون کی روش کے بالکل خلاف ہے اور جو بات خیر قرون کے خلاف ہو اس میں اصلاح نہیں بلکہ فساد ہے خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ مطلق فرماتا ہے:۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

اور مشکوٰۃ میں حدیث ہے:۔

اِنَّ شِفَاءَ الْعِيِّ السُّؤَالُ —— یعنی جاہل کی شفا پوچھنا ہے۔

دیکھئے اس آیت و حدیث میں بے علمی اور جہالت کے وقت پوچھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر علم ہو تو پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے اس آیت و حدیث میں پوچھنے کے لیے کسی کو معین نہیں کیا۔ اب اگر ہم اپنی طرف سے ایک کو معین کر کے کہیں کہ اسی سے پوچھنا ہمارے ذمہ لازم ہے تو گویا یہ قرآن و حدیث کی مخالفت ہے کیونکہ قرآن و حدیث تو ایک دائرہ کو وسیع کرے اور ہم اس کو تنگ کریں؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے لوگوں نے صدقہ خیرات کے لیے خاص خاص تاریخیں مقرر کر رکھی ہیں جیسے تیجا۔ ساتواں چالیسواں، ششماہی۔ سالانہ وغیرہ۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ان تاریخوں پہ صدقہ خیرات لازم نہ کیا جائے تو پھر لوگ صدقہ خیرات نہیں کرتے۔ لیکن ہم ان کو بدعت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ خیر قرون کے خلاف ہے اور شریعت کے وسیع دائرہ کو اپنی طرف سے تنگ کرنا ہے۔ اگر ان تنگیوں سے اصلاح ہوتی تو خدا ضرور ان کا حکم بھیج دیتا۔ جب خدا نے دین پورا کر کے فرما دیا:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ —— یعنی آج میں نے تمہارا دین پورا کر دیا۔

پھر جو ان تنگیوں کو دین میں داخل کرتا ہے گویا وہ خدا کو اس فرمان میں جھوٹا سمجھتا ہے۔ مَعَاذَ اللہِ! انہیں میں خدا سچا ہے جھوٹے وہ ہی ہیں جو دین میں زیادتی کرتے ہیں۔

دیکھئیے جب امام سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف پھر کر بیٹھتا ہے تو اس کو اختیار ہے خواہ دائیں طرف پھرے خواہ بائیں طرف کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طرف پھرتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک طرف پھرنا اپنے اوپر لازم کرلے اس نے گویا اپنی نماز میں شیطان کا حصہ کر دیا ــــ (ملاحظہ ہو بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ وغیرہ)

اب بتلا ہیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک طرف کے لازم کرنے کو شیطانی فعل کیوں کہا؟ حالانکہ دائیں طرف افضل ہے خصوصاً آزادی کے زمانہ میں جتنا طبیعت کو پابند کرے گا اتنی طبیعت میں پابندی پیدا ہوگی اور آزادی دور ہوگی مگر عبداللہ بن مسعودؓ اس کو شیطانی فعل قرار دیتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ؟ یہی کہ ہمیں دین میں یہ اختیار حاصل نہیں کہ وسیع کو تنگ یا تنگ کو وسیع کریں۔ پس جب ہمیں یہ اختیار حاصل نہیں تو پھر ایک امام کی تقلید کو لازم کرنا کیونکر جائز ہوگا۔

اس سے بڑھ کر اور سنیئے۔ ابوداؤد جلد اول کے اخیر میں حدیث ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج پر امیر بنا کر بھیجا اور لوگوں کو کہا کہ اس کی تابعداری کرنا۔ اتفاقاً وہ کسی بات میں اپنی فوج پر رنج ہوگیا۔ بہت سی آگ جلوا کر کہنے لگا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میری تابعداری کا حکم نہیں دیا؟ فوج نے کہا بے شک دیا ہے۔ کہا کہ پھر اس آگ میں کود جاؤ۔ بعض کودنے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر اس کا جوش کم ہونے کی وجہ سے رک گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فرمایا اگر آگ میں کود جاتے تو آگ ہی میں رہتے کیونکہ :-

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی خدا کی نافرمانی میں کسی کی تابعداری نہیں

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی :ــــــــــ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ

یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اور اولی الامر کی تابعداری کرو۔ اگر تمہارا اختلاف ہو جائے تو پھر خدا رسول کی طرف لوٹاؤ یعنی ایسے وقت میں اولی الامر کی تابعداری نہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امیر مقرر کیا ہوا ہو جس کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ اس کی تابعداری کرو تو جب ایسے شخص کی ہر بات میں تابعدا

کرنے پر ایسی سخت وعید ہو کہ اگر آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ ہی میں رہتے تو بھلا جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام ہی نہ لیا ہو اس کی ہر بات میں تقلید کرنے پر کتنی سخت وعید ہوگی ؛ یہی وجہ ہے کہ اماموں نے صاف کہدیا کہ ہماری تقلید نہ کرو بلکہ جو کچھ قرآن وحدیث میں ہو اس کو لو۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ عقد الجید میں لکھتے ہیں :۔

قَالَ الشَّيْخُ عَبْدُ الْوَهَّابِ الشَّعْرَانِيُّ فِي الْيَوَاقِيْتِ وَالْجَوَاهِرِ رُوِيَ عَنْ اَبِي حَنِيْفَةَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ لَا يَنْبَغِيْ لِمَنْ لَّمْ يَعْرِفْ دَلِيْلِي اَنْ يُّفْتِيَ بِكَلَامِي وَكَانَ اِذَا اَفْتٰى يَقُوْلُ هٰذَا رَأْيُ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ يَعْنِيْ نَفْسَهُ وَهُوَ اَحْسَنُ مَا قَدَرْنَا عَلَيْهِ فَمَنْ جَاءَ بِاَحْسَنَ مِنْهُ فَهُوَ اَوْلٰى بِالصَّوَابِ وَكَانَ الْاِمَامُ مَالِكٌ مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ مَاْخُوْذٌ مِّنْ كَلَامِهِ وَمَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنِ الشَّافِعِيِّ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا رَاَيْتُمْ كَلَامِيْ يُخَالِفُ الْحَدِيْثَ فَاعْمَلُوْا بِالْحَدِيْثِ وَاضْرِبُوْا بِكَلَامِي الْحَائِطَ وَقَالَ يَوْمًا لِلْمُزَنِيِّ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَا تُقَلِّدْنِيْ فِيْ كُلِّ مَا اَقُوْلُ وَانْظُرْ فِيْ ذٰلِكَ لِنَفْسِكَ فَاِنَّهُ دِيْنٌ وَكَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَقُوْلُ لَا حُجَّةَ فِيْ قَوْلِ اَحَدٍ دُوْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاِنْ كَثُرُوْا وَلَا فِيْ قِيَاسٍ وَلَا فِيْ شَيْءٍ مَا وَعَلَيْكُمْ بِالْاِطَاعَةِ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ بِالتَّسْلِيْمِ وَكَانَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ يَقُوْلُ لَيْسَ لِاَحَدٍ مَّعَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ كَلَامٌ وَقَالَ اَيْضًا لِرَجُلٍ لَا تُقَلِّدْنِيْ وَلَا تُقَلِّدَنَّ مَالِكًا وَّلَا الْاَوْزَاعِيَّ وَلَا النَّخْعِيَّ وَلَا غَيْرَهُمْ وَخُذِ الْاَحْكَامَ مِنْ حَيْثُ اَخَذُوْا مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ - انتهٰى ثُمَّ نُقِلَ عَنْ جَمَاعَةٍ عَظِيْمَةٍ مِّنْ عُلَمَاءِ الْمَذَاهِبِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وَيُفْتُوْنَ بِالْمَذَاهِبِ مِنْ غَيْرِ اِلْتِزَامِ مَذْهَبٍ مُّعَيَّنٍ مِنْ زَمَنِ اَصْحَابِ الْمَذَاهِبِ اِلٰى زَمَانِهِ عَلٰى وَجْهٍ يَقْتَضِيْ كَلَامُهُ اَنَّ ذٰلِكَ اَمْرٌ لَمْ يَزَلِ الْعُلَمَاءُ عَلَيْهِ قَدِيْمًا وَّحَدِيْثًا حَتّٰى صَارَ بِمَنْزِلَةِ المتفق عليه فَصَارَ سَبِيْلُ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْ لَا يَصِحُّ خِلَافُهٗ (عقد الجید ۸۰-۸۱-۸۲)

امام ابو حنیفہؒ کا قول بابت تقلید

یعنی عبدالوہاب شعرانی یواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ صاحبؒ سے روایت ہے کہ کسی کے لیے لائق نہیں کہ میرے کلام پر فتوے دے جب تک کہ میرے کلام کی دلیل نہ پہچان لے اور جب فتوے دیتے تو فرماتے یہ نعمان بن ثابت کی (یعنی میری) رائے ہے اگر کوئی اس سے بہتر رائے لائے تو وہ صواب کے زیادہ لائق ہے

امام مالکؒ کا قول بابت تقلید

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص نہیں مگر اس کی کلام لی بھی جاتی ہے اور رد بھی کی جاتی ہے

امام شافعیؒ کا پہلا قول بابت تقلید

اور حاکمؒ اور بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے روایت کیا ہے، فرماتے تھے کہ جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے

امام شافعیؒ کا دوسرا قول بابت تقلید

اور ایک روایت میں ہے کہ فرماتے تھے کہ جب میرا کلام حدیث کے خلاف دیکھو تو حدیث پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار پر مارو

امام شافعیؒ کا تیسرا قول بابت تقلید

—— اور ایک دن مزنی کو کہا کہ اے ابراہیمؒ[1] ہر بات میں میری تقلید نہ کر، اپنے نفس کے لیے غور کر (یعنی جو بات قرآن و حدیث کے موافق ہو وہ لے اور جو مخالف ہو اس کو ترک کر دے) کیونکہ یہ دین ہے

---

[1] ابراہیم مزنی کا نام ہے۔

امام شافعیؒ کا چوتھا قول بابت تقلید

اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے قول میں حجت نہیں اگرچہ یہ بہت ہوجائیں اور نہ قیاس میں نہ کسی شے میں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم پکڑو۔

امام احمدؒ کا قول بابت تقلید

ـــــــــــــــــــــــــــــــــــ اور امام احمد فرماتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کسی کو کلام نہیں۔ نیز فرماتے تھے کہ نہ میری تقلید کرو نہ مالکؒ کی نہ اوزاعیؒ کی نہ نخعیؒ کی نہ کسی اور کی اور جہاں سے ان اماموں نے احکام لیے دین سے احکام لو یعنی قرآن و حدیث سے لو۔ پھر عبدالوہاب شعرانی نے علماء مذاہب کی ایک بڑی جماعت سے نقل کیا ہے کہ علماء بغیر التزام کسی خاص مذہب کے سب مذاہب پر ہمیشہ فتوے دیتے رہے اور ہمیشہ سے اس وقت تک ان کا یہی عملدرآمد رہا۔ یہاں تک کہ یہ بات تقریباً متفق علیہ ہوگئی۔ پس یہ رستہ سبیل المسلمین بن گیا جس کا خلاف جائز نہیں

امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول بابت تقلید

علامہ شوکانیؒ القول المفید[۲۳] میں لکھتے ہیں :۔

قَالَ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ فِيْ رَوْضَةِ الْعُلَمَاءِ اَنَّهٗ قِيْلَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اِذَا قُلْتَ قَوْلًا وَكِتَابُ اللّٰهِ يُخَالِفُهٗ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقِيْلَ لَهٗ اِذَا كَانَ خَبَرُ الرَّسُوْلِ يُخَالِفُهٗ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ اِذَا كَانَ قَوْلُ الصَّحَابِيِّ يُخَالِفُهٗ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِقَوْلِ الصَّحَابِيِّ

یعنی امام ابوحنیفہؒ سے کہا گیا کہ جب قول آپ کا کتاب اللہ کے خلاف ہو تو فرمایا میرے قول کو کتاب اللہ کے مقابلہ میں ترک کردو۔ پھر کہا گیا کہ جب حدیث کے خلاف ہو تو فرمایا حدیث کے مقابلہ میں میرے قول کو ترک کردو۔ پھر کہا گیا کہ جب صحابی کے قول

کے خلاف ہو تو فرمایا میرے قول کو قول صحابی کے مقابلہ میں ترک کر دو۔

امام ابو حنیفہؒ کا تیسرا قول بابت تقلید

علامہ شامی رد المختار جلد اول ۵۰ میں امام ابو حنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں :۔

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ ـــــ یعنی جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ایک وصیّت

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں :۔

"در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن ودائما تفریعاتِ فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشند در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن امت راہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن وبدیشاں التفات نکردن وقربت خدا را جستن"

یعنی فروعات میں علماء محدثین کی پیروی کرنا جو فقہ وحدیث کے جامع ہوں اور مسائلِ فقہیہ کو ہمیشہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ پر پیش کرنا، جو موافق ہو اس کو قبول کرنا جو مخالف ہو اس کو قائل کے منہ پر مارنا (کیونکہ) امت کے لیے کتاب وسنت پر مسائلِ اجتہادیہ کے پیش کرنے سے کسی وقت بے پرواہی نہیں اور جن فقہاء نے کسی عالم کی تقلید کو دستاویز بنا کر جستجوئے سنت کو پیچھے ڈال رکھا ہے ان کی نکمی بات کو نہ سننا اور ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور خدا کا قرب ڈھونڈنا۔

حضرت عبد اللہ المعتمرؒ کا قول برائے تقلید

حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ اعلام الموقعین ۲۱۱ میں لکھتے ہیں :۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ الْمُعْتَمِرُ لَا فَرْقَ بَیْنَ بَھِیْمَۃٍ تُنْقَادُ وَ اِنْسَانٍ یُقَلِّدُ

یعنی چار پایہ میں اور منقلد میں کچھ فرق نہیں"۔

اس قسم کے بہت اقوال ہیں ہم کہاں تک نقل کریں۔ اب صرف ایک آیت اور ایک حدیث اور پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا فیصلہ ذکر کر کے اس مسئلہ کو ختم کرتے ہیں۔

آیتِ کریمہ:۔ اِتَّخَذُوْآ اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یعنی یہود اور نصاریٰ نے اپنے عالموں اور عابدوں کو رب بنا لیا۔

ترمذی کتاب التفسیر میں عدی بن حاتم سے جو پہلے نصرانی تھے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم نے اپنے عالموں اور عابدوں کو رب نہیں بنایا، خدا کس طرح فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور عابدوں کو رب بنایا تو رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ اپنے عالموں اور عابدوں کے حلال و حرام کیے ہوئے کو حلال حرام نہیں سمجھتے تھے؟ کہا یہ بات تو تھی۔ فرمایا بس یہی رب بنانا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں کسی کے قول کو ویسے ہی نہ لے بلکہ اس کی تحقیق کرے کہ کہیں قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو۔

حدیث:۔ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ

یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ تم گمراہ نہیں ہوگے جب تک ان دونوں کو تھامے رہوگے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول۔ (مشکوٰۃ وغیرہ)

فیصلہ پیران پیر صاحب۔ فتوح الغیب میں لکھتے ہیں:۔

اِجْعَلِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ اَمَامَكَ وَانْظُرْ فِيْهِمَا بِتَاَمُّلٍ وَتَدَبُّرٍ وَلَا تَغْتَرَّ بِالْقَالِ وَالْقِيْلِ وَالْهَوَسِ (فتوح الغیب مقالہ ۳۶)

یعنی کتاب اور سنت کو اپنا امام بنا اور ان میں تامل و تدبر کے ساتھ نظر کر اور کسی کے قول اور خیال پر فریفتہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و حدیث پر عمل کی توفیق بخشے اور صحابہ کی اتباع پر زندہ رکھے اور اسی پر مارے آمین ثم آمین۔

الحمدللہ! یہاں تک ہم مسئلہ تقلید پر اجمالی بحث سے فارغ ہوئے۔ اب خاتمہ کا حال سنیئے۔ جس میں بعض مسائل اختلافیہ کے دلائل ہیں۔

عامل بالحدیث ہونے کا مطلب

خاتمہ ۔ مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں :۔

" اس میں چند مسائل جزئیہ نماز کے دلائل حدیث سے لکھے ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ مقلدین حنفیہ بھی عامل بالحدیث ہیں اور ان مسائل کی تخصیص کی دو وجہیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ ان میں شور و شغب زیادہ ہے۔ دوسرے یہ وسوسہ آسکتا ہے یا ڈالا جا سکتا ہے کہ جس مذہب کی نماز ہی جو کہ افضل العبادات اور روزانہ متکرر الوقوع ہے، حدیث کے خلاف ہو اس مذہب میں حق ہونے کا کب احتمال ہو سکتا ہے۔ سو اس سے یہ وسوسہ دفع ہو جائے گا اور ہمارا یہ دعوےٰ نہیں کہ ان مسائل میں دوسری جانب حدیث نہیں بلکہ اس مقام پر یہ دعوےٰ کرنا بھی ضروری نہیں کہ دوسری جانب مرجوح ہے نہ یہ دعوےٰ ہے کہ ان استدلالات میں کوئی خدشہ واحتمال نہیں کیونکہ مسائل ظنیہ کے لیے دلائل ظنیہ کافی ہیں اور ایسے احتمالات مضر ظنیت نہیں بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہم بھی بے راہ نہیں چل رہے تاکہ موافقین تردد سے اور معترضین بدزبانی و بدگمانی سے نجات پا دیں اور اگر یہ شبہ ہو کہ جب دوسری جانب بھی حدیث ہے تو تم اس حدیث کے مخالف ہوئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو دنیا میں کوئی عامل بالحدیث نہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب ایک حدیث کی وجہ سے دوسری حدیث میں مناسب تاویل کر لی جاتی ہے تو اس کی مخالفت بھی باقی نہیں رہتی" (ص ۶۶)

جواب ۔ عامل بالحدیث ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ برائے نام کوئی حدیث پیش کر دی جائے، خواہ صحیح ہو یا ضعیف اور خواہ مدعا اس سے ثابت ہو یا نہ اور اگر اسی کا نام عامل بالحدیث ہونا ہے تو جملہ اسلامی فرقے ہیں سب عامل بالقرآن یا عامل بالحدیث ہیں خواہ اہل بدعت ہوں یا اہل سنت۔ کیونکہ سب بظاہر یا تو قرآن پیش کرتے ہیں یا حدیث۔ بلکہ عامل بالحدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث

لائق عمل ہو جو مدعا پر دلالت کرتی ہو اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی حدیث نہ ہو جو لائق عمل ہو اور مدعا کے خلاف پر دلالت کرتی ہو اور جہاں کہیں تعارض معلوم ہو وہاں بغیر پاسداریٔ مذہب کے جو جانب راجح ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ لیکن ہمارے بھائیوں کا طریقہ اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ قولِ امام کو اصل سمجھ کر حدیث کو الٹ پلٹ کرتے ہیں اور قولِ امام کو نہیں چھوڑتے گویا حدیث کو قولِ امام کے تابع بناتے ہیں، بلکہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا اصل استدلال قولِ امام سے ہے اور حدیث سے استدلال کرنا محض تبرع ہے یعنی ایک زائد امر ہے۔ خواہ حدیث صحیح ہو یا ضعیف چنانچہ خود مولوی اشرف علیؒ نے اسی رسالہ کے شبہ ہشدہم ص۵۳ میں اس کی تصریح[1] کی ہے۔ حالانکہ مولوی اشرف علیؒ خود اپنے اسی رسالہ کے ص۶۵ میں لکھتے ہیں:۔

"البتہ جو شخص عقاید یا اجماعیات میں مخالفت کرے یا سلف صالحین کو برا کہے وہ اہل سنت سے خارج ہے کیونکہ اہل سنت وجماعت وہ ہیں جو عقاید میں صحابہ کے طریقہ پر ہوں اور یہ امور ان کے عقاید کے خلاف ہیں۔" انتہیٰ

مولوی اشرف علی صاحبؒ! انصاف سے بتایئے آپ کا حدیث کو امام کی رائے کے تابع کرنا اجماع کے یا عقاید صحابہؓ کے خلاف نہیں؟ یا تقلید میں غلو نہیں؟ صاف طور پر تو کوئی فرقہ بھی قرآن وحدیثؐ کے منکر کا رد نہیں کرتا۔ اسی طرح قواعد تراش تراش کر رد کرتے ہیں یعنی اپنے امام کی بات کو قائم رکھنے کے لیے ایسے قواعد بناتے ہیں کہ قرآن وحدیث رد ہو جائے۔ اگر اسی کا نام عمل بالحدیث ہے تو مرزائیوں میں اور ایسے حنفیوں میں کیا فرق رہا؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جس حدیث کو مرزا صاحب صحیح ضعیف کہدیں وہی صحیح ضعیف ہے بلکہ ہمارے بھائی تو امام کی تصریح کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے صرف امام کا مذہب ہونا کافی ہے۔ چنانچہ اسی رسالہ کے شبہ ہشدہم ص۵۳ میں خود مولوی سے

---

[1] اصل عبارت مولوی اشرف علی کی یہ ہے:۔

"مقلد محض تبرعاً دلیل بیان کرتا ہے اس کا استدلال قولِ مجتہد سے ہوتا ہے۔"

اصولِ فقہ میں بھی یہی لکھا ہے۔ اَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهٗ قَوْلُ مُجْتَهِدِهٖ (مسلم الثبوت وغیرہ) یعنے مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے۔

اشرف علیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ غرض ہمارے بھائیوں کی تمام کارروائی تقلید کے دائرے کے اندر ہے۔ مسائل بھی وہی درست ہیں جو امام نے استنباط کیے ہیں اور حدیث کے ضعف و صحت کی کسوٹی بھی امام ہی ہے۔ گویا مدار قول امام پر ہے۔ حدیث محض تبرع (زیادہ) ہے اور نام اس کا عمل بالحدیث رکھ کر خوش ہیں کہ ہم بھی بے راہ نہیں چلتے۔ سچ ہے، کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ

مولوی اشرف علیؒ کا شافعیہ کے مسائل کو اہلحدیث کے امتیازی مسائل قرار دینا

خیر اب وہ مسائل سنیئے جو مولوی اشرف علیؒ صاحب نے ذکر کیے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ایک عرض ہے وہ یہ کہ حنفیہ کا مقابلہ زیادہ تر دو فرقوں سے ہے اہلحدیث اور شافعی۔ اہلحدیث کو چونکہ کسی خاص امام سے تعلق نہیں بلکہ جدھر حدیث ہے وہی ان کا مذہب ہے۔ اس لیے ممکن نہیں کہ ان کے اتفاقی مسائل غلط ہو جائیں جیسے فاتحہ۔ رفع یدین۔ آمین وغیرہ۔ اور حنفیہ شافعیہ چونکہ ایک امام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت دفعہ حمایتِ مذہبی میں حدیث کی مخالفت بھی کر جاتے ہیں۔ اگرچہ شافعی مذہب میں حنفی مذہب کی نسبت مخالفت کم ہے[۲] لیکن ہے ضرور اس لیے کلی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شافعیہ کے مسائل سارے

---

[۱] مولوی اشرف علیؒ کی اصل عبارت یہ ہے "جب مجتہد کا اس حدیث سے استدلال ہو چکا اور استدلال موقوف ہے حدیث کی صحت پر تو گویا مجتہد نے اس حدیث کی تصحیح کر دی۔ رہا یہ شبہ کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ مجتہد نے اس سے تمسک کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے موافق اس کا عمل ہونا دلیل ظنی ہے اس کے ساتھ تمسک کرنے پر اور مسائلِ ظنیہ میں مقدمات ظنیہ کافی ہیں۔ انتہے ملخصاً ص ۵۳، ۵۴ (اس کی زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ "اہلحدیث" میں ملاحظہ ہو۔ وہاں ہم نے مولوی اشرف علیؒ کے اس خیال کی خوب تردید کی ہے۔

[۲] کمی کی وجہ یہ ہے کہ شافعیہ کے ائمہ بھی اہلحدیث اور فنِ حدیث کے امام گزرے ہیں اور خدمتِ حدیث ان میں بہت ہوئی ہے برخلاف حنفی مذہب کے کہ ان میں پہلے ہی سے فنِ حدیث میں کچھ کمزوری رہی ہے اور چوتھی صدی میں آکر تو مجتہد مطلق کا پیدا ہونا ہی بند ہو گیا چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "انصاف" کے ص ۷۹ میں اس کی تصریح کی ہے زیادہ تر ان کا زور قیاس پر رہا جس کی وجہ سے ان کا نام ہی اہل الرائے ہو گیا اور رائے کا حدیث کے خلاف ہو جانا ایک معمولی بات ہے۔ اس لیے ان میں حدیث کی مخالفت شافعیہ کی نسبت زیادہ ہوئی۔ فافہم

[۳] اصل عبارت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہ ہے وانقرض المجتہد المطلق المنتسب فی مذھب الامام ابی حنیفۃ بعد المائۃ الثالثۃ وذلک لانہ لا یکون الا محدثا جھبذا واشتغالھم بعلم الحدیث قلیل قدیما وحدیثا۔ یعنی امام ابوحنیفہ کے مذہب میں تیسری صدی کے بعد مجتہد مطلق بند ہو گیا۔ کیونکہ مجتہد مطلق پورا محدث ہوتا ہے اور ان لوگوں کا شغل علم حدیث کے ساتھ ہمیشہ سے کم رہا ہے۔

کے سارے درست ہیں اور حنفیہ کے سارے کے سارے غلط ہیں بلکہ کئی مسئلوں شافعی غلطی پر ہوتے ہیں، حنفی حق پر ہوتے ہیں۔ کئی مسائل میں دونوں فریق برابر ہوتے ہیں۔ برخلاف اہلحدیث کے، کیونکہ ان کے سارے مسائل حق ہیں اور ہر ایک فرقہ کے مقابلہ میں حق پر رہتے ہیں خواہ حنفی ہوں یا شافعی یا کوئی اور ہوں۔

مولوی اشرف علیؒ نے چونکہ یہ رسالہ تقلید کے بارے میں لکھا ہے اور اس میں مقابلہ صرف اہلحدیث سے ہے تو ان کو چاہیئے تھا کہ وہ مسائل ذکر کرتے جن کی بابت اہلحدیث کا حنفیہ پر اعتراض ہے کہ انسے مسائل میں حنفیہ حدیث کا خلاف کرتے ہیں۔ آگے خواہ ان مسائل پر اکتفا کرتے جو نماز سے متعلق ہیں، جیسے فاتحہ، رفع یدین، آمین، نمازِ استسقاء، پانی بقدر قلتین، ترجیعِ اذان وغیرہ یا ان کے علاوہ اور بھی ذکر کرتے جیسے حرمت مقدار قلیل مسکرات، رضاعت کی مدت اڑھائی سال وغیرہ۔ لیکن مولوی اشرف علیؒ نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ مسائل بھی ذکر کیے ہیں جن میں حنفیہ شافعیہ کا اختلاف ہے حالانکہ ان کا ذکر بالکل بے محل ہے اگرچہ بعض اہلحدیث بھی ان کے قائل ہوں گے۔ لیکن جب علی العموم قائل نہیں تو یہ اہلحدیث فرقہ کے وہ امتیازی مسائل قرار نہیں دیے جا سکتے جن کی وجہ سے اہلحدیث کی طرف سے حنفیہ پر خلافِ حدیث ہونے کا اعتراض ہے۔

مولوی اشرف علیؒ نے اصل میں حکمت سے کام لیا ہے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ اہلحدیث کے اتفاقی مسائل میں تو مقابلہ مشکل ہے اگر ان مسائل میں حنفیہ کی طرف سے برائے نام میں۔نے کوئی حدیث پیش کر بھی دی تو فوراً اہلحدیث اس کا پول ظاہر کر دیں گے تو چاہیے کہ بعض مسائل درمیان میں ایسے بھی ذکر کر دیے جائیں جو محض حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ میں مابہ الامتیاز ہیں جن کی بابت کچھ کچھ دونوں طرف دلائل ہیں تاکہ کل کو کوئی میرے رسالہ کا رد لکھے گا تو اگر منصف ہو گا تو کم سے کم بعض ایسے مسائل میں ضرور کہے گا کہ حنفیہ کے ہاتھ میں بھی کچھ ہے بس اتنے پر حنفیہ کی عزت رہ جائے گی مگر یہ خیال نہ کیا کہ شاید رسالہ کا جواب دینے والا کوئی ایسا بھی کھڑا ہو جائے جو اس حالت پر واقف ہو کر رہی سہی عزت بھی کھو دے۔ کیونکہ اگر حنفیہ کے ہاتھ میں کچھ ہوتا تو آج مولوی اشرف علیؒ جیسے حنفیہ کے مسلمہ بزرگ ایسے مسائل ذکر کرنے کے لیے کیوں مجبور ہوتے جو حنفیہ شافعیہ میں اختلافی ہیں۔ سچ ہے ؎

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

خیر جب ناظرین کو مولوی اشرف علیؒ کی حکمت معلوم ہو چکی تو اب سنیئے۔ ہم زیادہ تر انہی مسائل پر

گفتگو کرتے ہیں جو اہلحدیث کے امتیازی ہیں۔ مولوی اشرف علیؒ صاحب فرماتے ہیں وہ مسائل مع دلائل یہ ہیں ـــــــ

مسئلہ اُولیٰ

ظہر کا وقت ایک مثل تک

" ایک مثل پر ظہر کا وقت رہتا ہے۔ بخاری مصطفائی جلد اول ص۷۷ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ مؤذن نے ارادہ کیا کہ اذان کہے آپؐ نے ارشاد فرمایا ذرا ٹھنڈا وقت ہونے دے پھر مؤذن نے ارادہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا اور ٹھنڈا ہونے دے پھر مؤذن نے ارادہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا اور ٹھنڈا ہونے دے یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

وجہ استدلال ظاہر ہے کہ مشاہدہ سے معلوم ہے کہ ٹیلہ کا سایہ جس وقت اس کے برابر ہوگا تو اور چیزوں کا سایہ ایک مثل سے بہت زیادہ ہو جاوے گا۔ جب اس وقت اذان ہوگی تو ظاہر ہے کہ عادۃً فراغ صلوٰۃ کے قبل ایک مثل مصطلح سے سایہ تجاوز کر جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایک مثل کے بعد وقت باقی رہتا ہے اور ایک استدلال حدیث قیراط سے مشہور ہے۔" (ص۶۵، ۶۶)

جواب: اوّل تو یہ حدیث سفر کا واقع ہے چنانچہ اسی حدیث میں اس کی تصریح ہے اور ٹیلوں کا ذکر بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ گھروں میں ٹیلے کہاں؟ اور سفر میں چونکہ دو نمازوں کا جمع کرنا درست ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ آپؐ کا ارادہ جمع کا ہو تو اگر آپ نے ظہر کو دوسری مثل میں جو عصر کا وقت ہے پڑھ لیا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت ظہر کا وقت باقی تھا۔

دوم یہ بات مسلّم ہے کہ اَلْاَحَادِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا یعنی حدیثیں آپس میں ایک دوسری کی تفسیر ہوتی ہیں۔ یہی حدیث ابوذرؓ والی بخاری کے ص۸۸ میں بھی ہے۔ وہاں ٹیلوں کا سایہ برابر ہونے

کی بجائے یہ لفظ ہیں کہ "ہمیں ٹیلوں کا سایہ دکھائی دیا" ان الفاظ کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ کے برابر ہونے سے یہ مراد ہے کہ ٹیلوں کی چوٹی سے ٹیلوں کی جڑ تک سایہ سمجھ گیا کیونکہ ٹیلوں کا سایہ اکثر اسی وقت دکھائی دیتا ہے جب ٹیلوں کی چوٹی سے ٹیلوں کی جڑ تک برابر ہو جائے۔ ٹیلوں اور ٹیلوں کی جڑ تک سایہ کا پھیلنا یہ دوسری چیزوں کے سایہ کے ایک مثل ہونے سے بہت پہلے ہوتا ہے جس میں ظہر آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے۔

اور اگر فرضی طور پر ہم مولوی اشرف علی کی مان لیں کہ ٹیلوں کی جڑ سے سایہ نکل کر اتنی دور چلا گیا کہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فراغتِ نماز تک سایہ نماز مثل مصطلح سے بڑھ جائے کیونکہ مثل مصطلح اصلی[1] سایہ کے بغیر ہے تو مثل مصطلح سے اس وقت بڑھے گا جب اصلی سایہ نکال کر ان اشیاء کے اندازے سے اوپر ہو جائے اور اتنا سایہ ٹیلوں کے ایک مثل سایہ ہونے کے...... دیر بعد ہوتا ہے جس میں عادۃً بڑی آسانی سے نماز ادا ہو سکتی ہے۔ مولوی اشرف علیؒ جو کچھ کہہ رہے ہیں محض اٹکل سے کہہ رہے ہیں کبھی حساب لگایا ہوتا تو حساب کے ساتھ لکھتے۔ ع

اس کے علاوہ اصولِ فقہ میں لکھا ہے عبارت النص اشارۃ النص پر مقدم[2] ہے۔ اس قاعدے کے لحاظ سے ایک مثل کی حدیث دو مثل کی حدیث پر مقدم ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایک مثل کی حدیث ایک مثل کے تبلانے میں عبارۃ النص ہے جیسے امامتِ جبریل کی حدیث جو صرف وقت بتلانے کی غرض سے آئے تھے جس میں ظہر کا وقت صرف ایک مثل بتلایا ہے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ مترجم ص۱۶۱) اسی طرح جس حدیث میں یہ

---

[1] اصلی سایہ دوپہر کے سایہ کو کہتے ہیں یعنی عین نصف النہار کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہ چونکہ زوال کے سایہ میں داخل نہیں۔ اس لیے اس کو نکال دیا جاتا ہے۔ اصلی سایہ کسی ملک میں ہوتا ہے کسی ملک میں نہیں۔ زوال کا سایہ ڈھلنے کے بعد کا سایہ ہے۔

[2] جس غرض سے کوئی کلام کی جائے اس کے رو سے کلام کا نام عبارۃ النص ہے اور اگر ویسے کوئی بات نظم عبارت سے ظاہر ہو تو اس کے لحاظ سے کلام کا نام اشارۃ النص ہے مثلاً حدیث میں ہے کہ کئی لوگ عکل اور عرینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہوئے۔ مدینہ کی آب وہوا ان کے موافق نہ آئی، بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "باہر صدقہ کے اونٹوں میں جا رہو اور ان کا پیشاب دودھ پیو۔" اس سے غرض تو یہ تھی کہ ان کو بیماری کا علاج تبلائیں لیکن اس حدیث کے الفاظ سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ جس شے کا گوشت کھایا جائے اس کا پیشاب پاک ہے کیونکہ نجس حرام ہے اور حرام میں شفا نہیں۔ پس علاج کے لحاظ سے تو اس حدیث کو عبارۃ النص کہیں گے اور پیشاب کے پاک ہونے کے لحاظ سے اس حدیث کو اشارۃ النص کہیں گے۔ اگر ان دونوں کا کہیں مقابلہ ہو جائے تو عبارۃ النص اشارۃ النص پر مقدم ہو گی۔ اسی طرح نص ظاہر پر (ملاحظہ ہو نور الانوار ص۱۲۱)

ع تَأَمَّلْ فِيهِ

ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپؐ سے نمازوں کے وقت دریافت کیے تو آپؐ نے پانچ وقت کی نماز پڑھا کر وقت بتلائے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ مترجم ص۱۴۸ ج۱) اور دو مثل کی اگر حدیث ہوگی تو اشارۃ النص ہوگی کیوں کہ ٹیلوں کی حدیث میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ گرمی کے دنوں میں نماز ظہر ذرا ٹھنڈی کرکے پڑھنی چاہیے۔ ایک مثل یا دو مثل کا اندازہ بتلانا مقصود نہیں تو وہ ایک مثل کی حدیث کے مقابلہ میں رد ہونی چاہیے اور یہی جواب قیراطؔ کی حدیث کا سمجھ لیں بلکہ قیراط کی حدیث اس ٹیلوں کی حدیث سے بھی گئی گزری ہے اسی لیے مولوی اشرف علیؒ نے اس کی تفصیل نہیں کی اگر وہ کرتے تو ہم بھی کرتے اگر کسی کو تفصیل کا شوق ہو تو معیار الحق اور اس کا جواب الجواب بحر زخار وغیرہ میں دیکھیے۔

یہ مسئلہ حنفیہ کا ایسا کمزور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد بھی امام ابوحنیفہؒ کے مخالف ہوگئے ہیں بلکہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ سے بھی ایک روایت ایک مثل کی آئی ہے۔ (ملاحظہ ہو ہدایہ ص۷۴ ج۱) لیکن مقلدین دو مثل پر ہی جمے ہوئے ہیں۔ خدا جمود سے بچائے۔ آمین

دوسرا مسئلہ

وضو کے بعد شرمگاہ کو چھونا

"دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں نہیں ٹوٹتا بعض کہتے ہیں ٹوٹتا ہے۔"

تیسرا مسئلہ

وضو کے بعد عورت کو چھونا

"تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ شافعیہ کہتے ہیں ٹوٹتا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں نہیں ٹوٹتا۔"

یہ دونوں مسئلے چونکہ اہلحدیث کے امتیازی مسئلے نہیں۔ اس لیے ہم ان پر زور نہیں دیتے ہاں اگر کوئی احتیاط کرے تو وضو کرلے۔

۱؎ قیراط کی حدیث وہ ہے جس میں ثواب امت کا ذکر ہے۔ مشکوٰۃ کے آخری باب میں ہے۔

مسئلہ چہارم

چوتھائی سر کا مسح

اب مسئلہ چہارم سنیئے۔ مولوی اشرف علی صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

"وضو میں چوتھائی سر پر مسح کرنے سے فرض وضوء ادا ہو جاتا ہے۔ البتہ سنت پورے سر کا مسح ہے۔ مشکوٰۃ انصاری صفحہ ۴۵ میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے پورے سر کا مسح نہیں کیا بلکہ صرف اگلے حصہ کا کیا اور مسح کے معنے ہیں ہاتھ پھیرنا اور ہاتھ سر پر پھیرنے کے لیے رکھا جائے تو بقدر ربع سر کے ہاتھ کے نیچے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسح سے بھی وضوء کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔" (صفحہ ۶۹)

جواب: یہ بھی اہلحدیث کا امتیازی مسئلہ نہیں ہے۔ صرف امام مالکؒ اور بعض اور پورے سر کا مسح ضروری کہتے ہیں تو اس پر بھی ہمیں لکھنے کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ صرف پیشانی کا کرے یا سارے کا کرے سب درست ہے۔ ہاں ہم اتنا بتلانا چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کی سب کارروائی تقلیدی دائرہ میں ہے۔ حدیث کا نام برائے نام لیتے ہیں۔ دیکھیئے حدیث میں پیشانی کا ذکر ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خواہ صرف گدّی کا کرلے تو بھی کافی ہے کیونکہ ان کا مذہب چوتھائی سر کا ہے خواہ کسی طرف سے ہو اور اسی مغیرہ کی حدیث میں پگڑی کا بھی ذکر ہے یعنی پیشانی کا کر کے باقی پگڑی پر کیا (مسلم شریف) لیکن ہمارے بھائی اس کے بھی قائل نہیں۔ اب بتلایئے کہ حدیث کو مانا یا امام کے قول کو؟ یہ لوگ اسی طرح کانٹ چھانٹ کرتے ہیں۔

مسئلۂ پنجم

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

"اگر وضو میں بسم اللہ نہ کرے تب بھی وضو ہو جاتا ہے البتہ ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

تیسیر کلکتہ صہ ۲۸۶۔ کتاب الطہارۃ باب رابع فصل ثالث میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص وضوء کے شروع میں اللہ کا نام لے اس کا تو کل بدن پاک ہو جاتا ہے اور اگر اللہ کا نام نہ لے یعنی بسم اللہ نہ کہے اس کے صرف اعضاءِ وضو پاک ہوتے ہیں۔ (روایت کیا اس کو رزین نے) سب کا اتفاق ہے کہ وضو میں صرف اعضاءِ وضو کا دھونا ہے نہ تمام اعضائے بدن کا۔ جب بدون بسم اللہ پڑھے ہوئے اعضائے واجب التطہیر طاہر ہوگئے تو اس کا وضو ادا ہو گیا۔" (صہ ۶۸-۶۹)

جواب: اہل حدیث ہر مسئلہ میں اعتدال پر رہتے ہیں۔ وضو کے شروع میں بسم اللہ کی بابت بعض روایتیں آئی ہیں کہ بغیر ذکر اللہ کے وضوء نہیں لیکن کچھ ان میں گفتگو ہے اس لیے اہلحدیث نے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ ان کا امتیازی مسئلہ قرار پائے مگر اس کو اشرف علیؒ نے اس کو امتیازی قرار دیا ہے تو خیر یہ غلطی تو ان سے ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے ایک حکمت اختیار کر رکھی ہے جس کی تفصیل ابھی ہوئی ہے مگر یہ تو نہ چاہیئے تھا کہ اپنے بڑوں کی مخالفت کرتے کیونکہ بڑوں ہی کی حمایت میں تو یہ رسالہ لکھ رہے تھے مگر افسوس مولوی اشرف علیؒ سے یہ نہ ہو سکا۔ دیکھیئے اپنا مذہب ثابت کرنے کے لیے جو حدیث ذکر کی ہے اس کے مطلب میں دل کھول کر فقہاء کا خلاف کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہدایہ مع الکفایہ صہ ۱۱ اور حسامی مع التعلیق الحامی طبع نامی کانپور کے صہ ۱۰۹ میں ہے کہ:۔

"پائخانہ پیشاب کے رستے کسی شے کے نکلنے سے وضوء اس لیے ٹوٹتا ہے کہ اس سے سارا بدن نجس ہو جاتا ہے۔ اب دھونا تو سارا بدن چاہیئے تھا لیکن دفعِ حرج کے لیے شرع نے صرف چار اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ اگر پائخانہ پیشاب کے سوا کسی اور جگہ سے نجاست نکلے تو وہ بھی اسی پر قیاس ہے۔ گویا شرع نے دفعِ حرج کے لیے چار اعضاء کا دھونا ہی سارے بدن کی طہارت بنا دیا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اللہ کا نام لیا جائے۔"

چنانچہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے جو مولوی اشرف علیؒ نے ذکر کی ہے کہ اگر اللہ کا نام لیے بغیر چار اعضاء دھوئے گا تو سارا بدن پاک نہیں ہو گا اور جب سارا بدن پاک نہ ہوا تو نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ نماز کے لیے سارے بدن کی طہارت شرط ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے نام لیے بغیر وضو نہیں ہوتا، اگرچہ نجاست میں کچھ تخفیف ہو جاتی ہے لیکن مولوی اشرف علیؒ اس کے خلاف کہہ رہے ہیں۔ فرماتے

ہیں "بسم اللہ کے بغیر بھی وضو ہو جاتا ہے"۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔ ناظرین خیال فرمائیں کہ جس حدیث کو یہ اپنی دلیل سمجھ رہے ہیں وہی ان کے قواعد کے موافق ان کے مخالف فریق کی دلیل ہے مگر خوش قسمتی سے یہ نہ اپنے قواعد جانیں نہ حدیث کا قدر پہچانیں ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم !
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

چھٹا مسئلہ

نماز میں پکار کر بسم اللہ پڑھنا

چھٹا مسئلہ مولوی اشرف علیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ :۔

"نماز میں بسم اللہ پکار کر نہ پڑھے۔ شافعی پکار کر پڑھتے ہیں ——"

اہلحدیث کا دونوں پر عمل ہے کیونکہ دونوں طرف احادیث ہیں (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ) نواب یہ مسئلہ اہلحدیث کے مقابلہ میں ذکر کرنا بالکل نامناسب تھا یا کم سے کم جو جہر کی حدیث ہے اس کو رد کرنا چاہیئے تھا، لیکن مولوی اشرف علیؒ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صرف نہ پکار کر پڑھنے کی حدیث ذکر کر کے چلتے بنے۔ باقی اللہ اللہ خیر صلا۔ خیر ہم بھی اس کو یہیں چھوڑ کر آگے ساتواں مسئلہ لکھتے ہیں۔

مسئلہ ہفتم

فاتحہ خلف الامام

مولوی اشرف علیؒ صاحب فرماتے ہیں :۔

"امام کے پیچھے کسی نماز میں خواہ سری ہو خواہ جہری ہو نہ الحمد پڑھے نہ سورت پڑھے۔

مسلم جلد اول ص۱۷۴ و مشکوٰۃ جلد اول میں ابوموسیٰ اشعریؓ و ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

واذا قرأ فانصتوا یعنی جب امام نماز میں کچھ پڑھا کرے تو تم خاموش رہا کرو۔ (روایت کیا اس کو مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے) اس حدیث میں نہ سری کی قید ہے نہ جہری کی۔ نہ الحمد کی نہ سورت کی بلکہ نماز بھی مطلق ہے اور قراءۃ بھی مطلق۔ اس لیے سب کو شامل ہے۔ پس دلالت مقصود پر واضح ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ یعنی بدون الحمد کے نماز نہیں ہوتی۔ ابوداؤد محدث نے سفیان سے جو بڑے مجتہد اور محدث ہیں اس کے یہ معنی نقل کیے ہیں لِمَنْ یُّصَلِّیْ وَحْدَہٗ یعنے اس شخص کے لیے ہے کہ اکیلا نماز پڑھتا ہو نہ اس شخص کے لیے جو امام کے ساتھ پڑھے اور اس کی تائید اس حدیث موقوف سے ہوتی ہے جو ترمذی جلد اول ص۴۲ میں ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت ہے انہوں نے جابر بن عبد اللہ صحابی سے سنا فرماتے تھے کہ جو کوئی ایک رکعت بھی ایسی پڑھے جس میں الحمد نہ پڑھی ہو تو اس کی اور کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ اس نے امام کے پیچھے پڑھی ہے (روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس حدیث کو انہوں نے حسن صحیح کہا ہے۔)

دوسرا جواب حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ ہے کہ اس میں قراءۃ عام ہے حقیقیہ اور حکمیہ کو یعنے خود پڑھے یا امام کے پڑھنے کو اسی کا پڑھنا قرار دیا جاوے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ (ابن ماجہ اصح المطابع ص۶۱)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءۃ گویا اسی شخص کی قراءۃ ہے (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

وجہ تائید کی ظاہر ہے اور اس تاویل کی نظیر کہ رفع تعارض کے لیے قراءۃ کو عام لے لیا حقیقی اور حکمی کو حدیث میں موجود ہے کہ حضرت کعبؓ[1] نے رفع تعارض کے لیے صلوٰۃ کو عام لے لیا ہے، حقیقی اور حکمی کو اور حضرت ابوہریرہؓ نے اس تاویل کی تقریر فرمائی۔

نسائی مجتبائی جلد اول ص۲۱۱ میں روایت ہے کہ کعبؓ نے کہا کہ وہ ساعت قبولیت

---

[1] کعب غلط ہے صحیح عبد اللہ بن سلام ہے۔

کی جمعہ کی آخری ساعت ہے آفتاب غروب ہونے سے پہلے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے کہا کیا تم نے سنا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ ساعت قبولیت کی کسی مومن کو نماز پڑھتے ہوئے ملی اور حالانکہ یہ وقت نماز کا نہیں۔ حضرت کعب نے جواب دیا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ جو شخص نماز پڑھ کر اگلی نماز کی انتظاری میں بیٹھا رہے تو اگلی نماز کے آنے تک نماز ہی میں رہتا ہے۔ کہا ہاں واقعی فرمایا تو ہے انہوں نے فرمایا بس یونہی سمجھ لو۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

نظیر ہونا ظاہر ہے اور یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا یعنے میرے پیچھے اور کچھ مت پڑھا کرو بجز الحمد کے کیوں کہ جو شخص اس کو نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس سے مقتدی پر فاتحہ کا وجوب نہیں ثابت ہوتا۔ کیونکہ اس کے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ چونکہ فاتحہ میں یہ شرف ہے کہ نماز کا وجود یا کمال علی اختلاف الاقوال اس کی قرارت پر موقوف ہے گو وہ قرارت حکمیہ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ اوپر گزرا اس شرف کی وجہ سے اس میں بہ نسبت دوسری سورتوں کے یہ خصوصیت آگئی کہ ہم اس کی قرارت حقیقیہ کی بھی اجازت دیتے ہیں اور گو ما زاد علی الفاتحۃ بھی موقوف علیہ وجود یا کمال صلوٰۃ کا ہے علی اختلاف الاقوال لیکن اس کی کوئی فرد معین موقوف علیہ نہیں اور فاتحہ بالتعیین موقوف علیہ ہے۔ پس غایۃ مافی الباب مفید جواز کو ہے اور نہی سے استثنا ہونا اس کے مناسب بھی ہےؒ اور اول حدیث میں جو انصتوا صیغہ امر کا ہے وہ مفید نہی عن القرارۃ کو ہے۔ پس حسب قاعدہ اِذَا تَعَارَضَ الْمُبِيْحُ وَالْمُحَرِّمُ تَرَجَّحَ الْمُحَرِّمُ جواز کو منسوخ کہا جائے گا۔ اب کسی حدیث سے اس مسئلہ پر شبہ نہ رہا۔" انتہے (صفحہ ۶۹۔۷۰۔۷۱)

جواب

مولوی اشرف علیؒ صاحب شبہے تو یہاں بہت سے ہیں جن کا آپ نے جواب نہیں دیا مگر خیر میں آپ کی

ؒ حنفیہ کے نزدیک نہی سے استثنار جواز پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ ان کے نزدیک استثنا تکلم بالباقی ہے یعنی نہ جواز نہ عدم جواز بلکہ سکوت محض ہے۔ ملاحظہ ہو نور الانوار وغیرہ

پیش کردہ احادیث کی صحت[1] ضعف سے قطع نظر کر کے چند شبہے ذکر کرتا ہوں۔ جن سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ترجیح کس جانب کو ہے۔ پس سنیئے :۔

شبہ اول

جب دو دلیلوں میں تعارض ہو جائے تو اس وقت علماء مختلف ہیں کہ کون سی صورت اختیار کرنی چاہیے حنفیہ کچھ اور کہتے ہیں، اہلحدیث کچھ اور۔ مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۱۱۶-۱۱۷ میں ہے :۔

اِعْلَمْ اَنَّ مَا یُذْکَرُ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ یَنْقَسِمُ اِلٰی قِسْمَیْنِ اَحَدُھُمَا اَنْ یُّمْکِنَ الْجَمْعُ بَیْنَ الْحَدِیْثَیْنِ وَلَا یَتَعَذَّرُ اِبْدَاءُ وَجْہٍ یَنْفِیْ تَنَافِیْھِمَا فَیَتَعَیَّنُ حِیْنَئِذٍ الْمَصِیْرُ اِلٰی ذٰلِکَ وَالْقَوْلُ بِھِمَا مَعاً اَلْقِسْمُ الثَّانِیْ اَنْ یَّتَضَادَّا بِحَیْثُ لَا یُمْکِنُ الْجَمْعُ بَیْنَھُمَا وَ ذٰلِکَ عَلٰی ضَرْبَیْنِ اَحَدُھُمَا اَنْ یَّظْھَرَ کَوْنُ اَحَدِھِمَا نَاسِخًا وَالْاٰخَرُ مَنْسُوْخًا فَیُعْمَلُ بِالنَّاسِخِ وَ یُتْرَکُ الْمَنْسُوْخُ وَالثَّانِیْ اَنْ لَّا تَقُوْمَ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ النَّاسِخَ اَیُّھُمَا وَالْمَنْسُوْخُ اَیُّھُمَا فَیُفْزَعُ حِیْنَئِذٍ اِلَی التَّرْجِیْحِ وَیُعْمَلُ بِالْاَرْجَحِ وَالْاَثْبَتِ کَالتَّرْجِیْحِ بِکَثْرَۃِ الرُّوَاۃِ اَوْ بِصِفَاتِھِمْ فِیْ خَمْسِیْنَ وَجْھًا مِنْ وُّجُوْہِ التَّرْجِیْحَاتِ وَ اَکْثَرُ وَلِتَفْصِیْلِھَا مَوْضِعٌ غَیْرُ ذَا وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ انتہیٰ ملخصا

یعنی تعارض کے باب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں حدیثوں کے درمیان جمع ممکن ہو اور ایسی وجہ کا پیدا کرنا جو ان کی تنافی کے لائق ہو مشکل نہ ہو تو اس وقت جمع کی طرف رجوع کرنا اور دونوں حدیثوں پر عمل کرنا متعین ہو جائے گا۔ دوسری قسم یہ کہ جمع ممکن نہ ہو اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک کا ناسخ ہونا اور دوسری کا منسوخ ہونا کسی طرح معلوم ہو جائے۔ پس اس وقت ناسخ پر عمل ہوگا اور منسوخ کو چھوڑا جائے گا اور دوسری صورت یہ ہے کہ معلوم

---

[1] مولوی اشرف علیؒ نے کسی حدیث کی صحت وضعف سے تعلق نہیں رکھا حالانکہ قراءۃ الامام لہ قراءۃ بالکل ضعیف۔ چنانچہ تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے۔ اسی طرح حدیث واذا قرأ فانصتوا کو ابوداؤد۔ ابن معین۔ ابی حاتم رازی دارقطنی۔ حافظ نیساپوری۔ شیخ حاکم نے ضعیف کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم میں کہا ہے میرے خیال میں اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن میں نے اپنی کتاب میں درج نہیں کی۔ کیونکہ میری کتاب کے لائق نہیں (ملاحظہ ہو مسلم مع نووی جلد اول ص۱۷۴)

نہ ہو کہ ناسخ کون سی ہے اور منسوخ کون سی ہے۔ پس اس وقت ترجیح کی طرف رجوع کر کے ارجح واثبت پر عمل کیا جائے گا جیسے راویوں کی کثرت کے ساتھ ترجیح دینا یا ان کی صفات کے ساتھ ترجیح دینا جو پچاس وجوہ ترجیح اور زیادہ میں داخل ہیں جن کی تفصیل کا محل دوسرا ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

یہ تو اہلحدیث کا اصول ہے۔ اب حنفیہ کا سنیئے۔ تحریر ابن الہمام بحثِ تعارض میں ہے :۔

حُكْمُهُ النَّسْخُ إِنْ عُلِمَ الْمُتَأَخِّرُ وَإِلَّا التَّرْجِيحُ ثُمَّ الْجَمْعُ وَإِلَّا تُرِكَا إِلَىٰ مَا دُونَهُمَا عَلَى التَّرْتِيبِ إِنْ كَانَ وَإِلَّا قُرِّرَتِ الْأُصُولُ

یعنی تعارض کا فیصلہ یوں ہو گا کہ اگر علم ہو گیا کہ فلاں آیت و حدیث پیچھے ہے تو پہلی کو منسوخ کہا جائے گا اور اگر علم نہ ہو تو راجح کو اختیار کیا جائے گا۔ اگر کسی جانب کو ترجیح نہ ہوئی تو جمع کی طرف رجوع ہو گا اور اگر جمع بھی ممکن نہ ہو تو دونوں کو ترک کر کے ان سے ادنیٰ کی طرف علی الترتیب رجوع ہو گا۔ (یعنے آیتوں میں تعارض ہو تو حدیثوں کی طرف رجوع ہو گا۔ اگر حدیثوں میں ہو تو اقوالِ صحابہ کی طرف یا قیاس کی طرف رجوع ہو گا۔) اور اگر ادنیٰ بھی نہ ہو تو جس شے کے متعلق وہ دونوں متعارض دلیلیں وارد ہوئی ہیں اس کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیا جائے گا (مثلاً کسی شے میں اصل طہارت ہو گی وہ طہارت پر رہے گی اور اگر اصل نجاست ہو گی تو نجاست پر رہے گی۔)

جب دونوں فرقوں کے اصول معلوم ہو چکے تو اب سنیئے، مولوی اشرف علیؒ نے حنفی اصول کے بالکل خلاف کیا ہے کیونکہ حنفیہ کے اصول کے موافق حدیثِ و اذا قرأ فانصتوا اور حدیثِ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا فیصلہ یوں ہونا چاہیئے تھا کہ دوسری حدیث کو پہلی پر ترجیح دیتے کیونکہ تاریخ معلوم نہیں تا کہ کسی کو منسوخ کہا جائے اور نسخ کے بعد ترجیح کا درجہ ہے تو اس لیے ترجیح کی طرف رجوع کرنا چاہیئے تھا اور دوسری حدیث کو پہلی پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ حدیثِ و اذا قرأ فانصتوا بہت علماء کے نزدیک ضعیف ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۲ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے اور حدیثِ لا صلوٰۃ الخ بالاتفاق صحیح ہے اور اتفاقی بات کا اختلافی پر راجح ہونا ظاہر ہے تو حدیثِ لا صلوٰۃ الخ کو ترجیح دینی چاہیئے تھی نہ یہ کہ حدیثِ لا صلوٰۃ الخ سے منفرد مراد لے کر دونوں حدیثوں

کے درمیان جمع (یعنی موافقت) کر دیتے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک جمع کا درجہ ترجیح کے بعد ہے۔ آپ کو تقلید کا دعوےٰ تو ایسا ہے کہ فروع میں بھی چون و چرا نہیں کرسکتے اور یہاں اصولوں کی مخالفت ہو رہی ہے آپ کیوں خواہ مخواہ تقلید کو بدنام کر رہے ہیں۔ نام مقلد اور کرنا وہ جو جی میں آئے۔ انا للہ!

شبہ دوم

صلا میں ہم آپ سے نقل کر چکے ہیں کہ "ایک ہی مسئلہ میں ایک بات ایک مذہب کی لینا اور ایک دوسرے مذہب کی لینا اس میں اجماع کی مخالفت ہے" بھلا یہ بتلایئے کہ اصول ایک مذہب کا اور فرع دوسرے مذہب کی لے کر ایک مسئلہ بنا لینا جائز ہے؟ اگر اصول اور فروع کو ملانا جائز ہے تو فروع کو فروع سے ملا لینے میں کیا خرابی ہے؟ جب دو جنسوں کا ملانا ٹھیک ہے اور اس میں اجماع کی مخالفت نہیں تو ایک جنس کا ملانا بطریق اولیٰ ٹھیک ہونا چاہیئے۔ فافہم

شبہ سوم

آپ نے حدیث واذا قرأ فانصتوا کو حرمت قراءۃ پر دلالت کرنے والی قرار دیا ہے اور حدیث لا تفعلوا الا بام القرآن کو جوازِ قراءۃ پر دلالت کرنے والی قرار دیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ محرم کو مبیح پر ترجیح ہے اس لیے جوازِ قراءۃ منسوخ ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب آپ حدیث واذا قرأ فانصتوا اور حدیث لا صلوٰۃ میں اہلحدیث کا اصول لے کر جمع یعنی موافقت[1] کر چکے ہیں تو یہاں آپ نے اصولِ اہلحدیث لے کر کیوں موافقت نہ کی حالانکہ یہاں بھی یوں موافقت ہو سکتی ہے کہ حدیث واذا قرأ فانصتوا میں امرِ استحباب پر حمل کیا جائے یعنے سکوت مستحب ہو اور قراءۃ جائز ہو۔ خواہ مخواہ آپ نے حدیثِ لا تفعلوا کو منسوخ کر دیا۔

شبہ چہارم

حدیث واذا قرأ فانصتوا ابوداؤد وغیرہ میں ذرا لمبی ذکر کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُجِبْكُمُ اللّٰهُ وَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوا وَارْكَعُوا

یعنی جب تم نماز پڑھو تو صفیں ٹھیک کرو پھر ایک تمہارا امامت کرائے پس جب

---

[1] موافقت اس صورت میں ہے کہ مولوی اشرف علی کے خیال کے مطابق حدیث لا تفعلوا جواز پر دلالت کرے۔

تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھے تو تم آمین کہو اللہ قبول کرے گا اور جب تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو۔

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں سارے صیغے وجوب کے لیے نہیں بلکہ کوئی وجوب کے لیے ہے تو کوئی استحباب کے لیے بھی ہے مثلاً آمین کسی کے نزدیک واجب نہیں اور تکبیر رکوع حنفیہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ تکبیرِ تحریمیہ میں بھی شبہ ہے۔ اب اس کی کیا وجہ ؟ کہ باوجود اس کے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے مگر یہاں سب میں وجوب کے لیے نہیں بلکہ بعض میں ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ جس میں خارجی دلیل سے معلوم ہوگیا کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں وہاں وجوب کے لیے نہیں رہا اور باقی میں بدستور وجوب کے لیے رہا۔ اب ہم واذا قرأ فانصتوا کی بابت بھی ایک خارجی دلیل پاتے ہیں جو چاہتی ہے کہ یہ امر بھی وجوب کے لیے نہ ہو۔ وہ یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ حدیثِ لا تفعلوا جواز پر دلالت کرتی ہے جب یہ جواز پر دلالت کرتی ہے تو ضرور ہے کہ حدیثِ واذا قرأ فانصتوا میں امر وجوب کے لیے نہ ہو بلکہ استحباب کے لیے ہو یعنی سکوت مستحب ہو اور قراءۃ جائز ہو پھر آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ حدیثِ لا تفعلوا منسوخ ہے۔

شبہ پنجم

مولوی اشرف علی صاحبؒ! آپ نے جو حدیثِ لا تفعلوا کا مطلب بیان کیا ہے کیا پہلے لوگوں میں سے بھی کسی نے بیان کیا ہے ؟ آپ تو ایک مقلد آدمی ہیں، آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ حدیث کا ایک ایسا مطلب بیان کریں جو پہلے لوگوں میں سے کسی نے بیان نہ کیا ہو۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ تقلید کیوں کرتے ہو تو اس وقت یہ جواب ملتا ہے کہ ہم قرآن و حدیث کو سمجھ نہیں سکتے اور مطلب کے وقت قرآن و حدیث کی ایسی باریکیاں چھانتے ہیں کہ مجتہدوں کی بھی وہاں تک رسائی نہ ہو۔ بھلا بتلایئے کہ یہ کہاں کا مسئلہ ہے ؟ کہ نہی سے استثناء جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اصول فقہ میں تو لکھا ہے کہ استثناء تکلم بالباقی ہے یعنے نہ جواز پر دلالت کرتی ہے نہ عدم جواز پر۔ پھر حدیث کا اگلا ٹکڑا فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بہا ساتھ ملایا جائے تو اس سے وجوب ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں عام ارشاد ہے کہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں خواہ امام ہو خواہ مقتدی یا منفرد ہو بلکہ حدیثِ لا تفعلوا میں مقتدیوں ہی کو خطاب ہے کیونکہ یہ فجر کی نماز کا واقعہ ہے۔ مقتدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

قرآن پڑھتے تھے تو آپ نے فرمایا، "فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔" (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ۔)

اب تبلایئے کہ جب مقتدیوں کو یہ کہا جائے کہ فاتحہ کے بغیر کچھ نہ پڑھو کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں تو وہ اس سے کیا سمجھیں گے کہ فاتحہ کے بغیر ہماری نماز نہیں یا فاتحہ کے بغیر اکیلے کی نماز نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مخاطب وہ ہیں تو اپنی نماز کو وہ اول نمبر اس میں داخل سمجھیں گے۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ اس حدیث سے صرف جوازِ قراءۃ ثابت ہوتا ہے، بالکل غلط ہے۔

شبہ ششم

تمہید ابن عبد البرّ میں ہے:۔

وَ ذَكَرَ وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ رَجَاءَ بْنِ حَيْوَةَ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ لِمَ أَسْمَعْكَ قَرَأْتَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ أَجَلْ إِنَّهُ لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِهَا ــــــــــ

یعنی محمود بن الربیع کہتے ہیں کہ میں نے عبادۃ بن صامت کے پہلو میں نماز پڑھی تو انہوں نے فاتحہ پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا اے ابوالولید! (عبادۃ بن صامت کی کنیت ہے) کیا میں نے آپ کو فاتحہ پڑھتے نہیں سنا۔ فرمایا ہاں فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔

یہ عبادہ بن صامت حدیثِ لا تفعلوا کے راوی ہیں۔ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی دلیل یہ دے رہے ہیں کہ اس کے بغیر نماز نہیں اور یہاں نہی سے استثناء بھی نہیں تاکہ بقول آپ کے صرف جواز سمجھا جائے۔ اسی واسطے ابن عبد البر نے استذکار میں عبادہ بن صامت کو امام شافعی کے ساتھ ذکر کیا ہے جو فرضیتِ فاتحہ کے قائل ہیں[1]۔ اور ترمذی ص۶ؔ میں بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

---

[1] اصل عبارت یہ ہے۔ وقال اٰخرون لا یترك احد من المأمومین قراءۃ فاتحۃ الکتاب خلف امامہ فیما اسر وفیما جہر وممن قال بہذا الشافعی بمصر وعلیہ اکثر اصحابہ وھو قول الاوزاعی واللیث بن سعد وبہ قال ابوثور وھو قول عبادۃ بن الصامت وعبد اللہ بن عباس

اب تبلایئے کہ آپ کا مطلب من گھڑت ہوا یا نہ؟ آپ سوچیں کہ ایک شخص خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا راوی ہے۔ اس کے سامنے یہ واقعہ ہوا ہے وہ تو اس سے وجوب سمجھے اور آپ جواز سمجھیں۔ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سفیان محدث کا یہ کہنا کہ فاتحہ کا وجوب اکیلے کے لیے ہے اور جابر بن عبداللہ کا یہ فرمانا کہ مقتدی کی نماز فاتحہ کے بغیر ہو جاتی ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ حدیثِ لا تفعلوا میں جب مقتدیوں ہی کو خطاب ہے اور عبادہ بن صامت جو اس کے راوی ہیں جن کے سامنے یہ واقعہ ہوا ہے وہ وجوب ہی کے قائل ہیں تو کسی اور کی تاویل کا کیا اعتبار؟

شبہ ہفتم

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَقْرَءُوْنَ فِیْ صَلٰوتِکُمْ خَلْفَ الْاِمَامِ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ فَسَکَتُوْا فَقَالَھَا ثَلٰثًا فَقَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا (طحاوی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھتا ہے وہ چپ رہے آپ نے تین دفعہ فرمایا (تیسری مرتبہ) انہوں نے کہا کہ ہم پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہ پڑھو۔

حافظ ابن حجر تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔

اَخْرَجَہٗ اِبْنُ حِبَّانَ عَنْ اَنَسٍ مِثْلَہٗ وَزَادَ فِیْ اٰخِرِہٖ وَلْیَقْرَأْ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فِیْ نَفْسِہٖ

یعنی اس حدیث کو ابن حبان نے بھی حضرت انس سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ کلمہ زیادہ کیا ہے کہ چاہیے کہ پڑھے ایک تمہارا فاتحہ آہستہ۔

اسی طرح زیلعی نے تخریج ہدایہ میں کہا ہے۔

مولوی اشرف علی صاحب! تبلایئے۔ یہاں بھی وہی امر کا صیغہ آ گیا جو حدیثِ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا میں ہے اور استثنار کا نام نشان نہیں تو اب آپ کا وہ قاعدہ کہاں گیا کہ "حدیثِ لا تفعلوا جواز پر دلالت کرتی ہے اور حدیثِ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا حرمت پر اور حرمت کو جواز پر ترجیح ہوتی ہے اس لیے جواز کو منسوخ کہا جائے گا"۔ کیونکہ جب دونوں میں امر کا صیغہ آ گیا تو اب جواز پر دلالت کرنے والی تو کوئی سے

بھی نہ ہوئی۔ پس مناسب ہے کہ حدیث و اذا قرأ فانصتوا کو فاتحہ کے سوا باقی قراءۃ پر حمل کیا جائے جیسا کہ ابوہریرہؓ نے کہا ہے جو اس کے راوی ہیں۔

شبہ ہشتم

حدیث و اذا قرأ فانصتوا ترک فاتحہ میں ظاہر ہے کیونکہ حدیث کا سیاق اصل میں امام کی اتباع کے لیے ہے نہ ترک فاتحہ کے لیے اور حدیث لا صلوٰۃ وجوبِ فاتحہ میں نص ہے کیونکہ اس کا سیاق وجوب فاتحہ ہی کے لیے ہے اور ص۱۹ میں اصول فقہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تعارض کے وقت نص کو ظاہر پر ترجیح ہوتی ہے اور یہ بھی ابھی گزرا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ترجیح جمع پر مقدم ہوتی ہے تو آپ کو چاہیے تھا کہ حدیثِ لا صلوٰۃ کو ترجیح دیتے نہ کہ اس کو منفرد کے ساتھ خاص کر کے دونوں کے درمیان جمع کرتے لیکن مطلب کے وقت آپ لوگ اپنے گھر کو بھی نہیں دیکھتے۔ سچ ہے ؎

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھئے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

تنبیہ:۔ حدیثِ قراءۃ الامام لہٗ قراءۃ کے راوی جابر رضی اللہ عنہ ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہو تو جابر رضی اللہ عنہ کی غلطی کا یہی سبب ہے کیونکہ جب امام کی قرارت مقتدی کے لیے کافی ہے جس میں فاتحہ بھی داخل ہے تو ضرور تھا کہ وہ حدیثِ لا صلوٰۃ کو اکیلے کے لیے سمجھتے اگر ان کو حدیث لا تفعلوا والی معلوم ہوتی کہ اس میں مقتدیوں کو خطاب ہے اور اس کے راوی عبادہ بن صامت فرضیت فاتحہ کے قائل ہیں تو کبھی یہ تاویل نہ کرتے بلکہ حدیثِ قراءۃ الامام لہ قراءۃ کی تاویل کرتے کہ اس سے مراد سوا فاتحہ کے ہے یعنی فاتحہ تو مقتدی کو پڑھنی ضروری ہے۔ ہاں باقی قرارت امام کی مقتدی کے لیے کافی ہے خواہ اس کا نام کوئی حکمی قرارت رکھے جیسا مولوی اشرف علی نے رکھا ہے یا کچھ اور رکھے۔ بہرصورت فاتحہ اس میں داخل نہیں۔ دیکھئے ابوہریرہؓ جو حدیث و اذا قرأ فانصتوا کے راوی ہیں انہوں نے قرارت سے فاتحہ کے سوا باقی قرارت ہی سمجھی ہے اسی واسطے وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ میں اس کی تصریح کی ہے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ اس طرح سے سب حدیثوں کی آپس میں موافقت ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی صحابی خلاف ہو تو دوسری طرف بھی تو صحابہ موجود ہیں تو پھر خواہ مخواہ حدیث لا صلوٰۃ کو منفرد کے

ساتھ خاص کر کے حدیثوں کو آپس میں ٹکرانا یہ انصاف ہے؟ ترمذی ص۶۶ طبع سعیدی میں ہے :۔

قَالَ اَحْمَدُ فَهٰذَا رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَاَوَّلَ قَوْلَهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اَنَّ هٰذَا اِذَا كَانَ وَحْدَهٗ وَاخْتَارَ اَحْمَدُ مَعَ هٰذَا الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ وَاَنْ لَّا يَتْرُكَ الرَّجُلُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَاِنْ كَانَ خَلْفَ الْاِمَامِ

یعنی امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ جابرؓ ایک صحابی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لا صلوٰۃ کو منفرد کے ساتھ خاص کرتے ہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث لا صلوٰۃ منفرد کے ساتھ خاص ہے مگر باوجود اس کے امام احمدؒ نے فاتحہ خلف امام ہی کو اختیار کیا ہے اور اس بات کو اختیار کیا ہے کہ فاتحہ نہ چھوڑے خواہ امام ہی کے پیچھے ہو۔

دیکھیے امام احمدؒ بن حنبل کا اختیاط کہ جابر کے قول کو حدیث کی تفسیر بنا کر پھر بھی اس کی مخالفت کر رہے ہیں. غرض صحابی کے قول سے حدیث کا پاس زیادہ چاہیے جن لوگوں کے دل میں حدیث کی قدر ہے وہ اسی طرح کرتے ہیں. ہاں حدیث نہ پہنچے تو معذوری ہے لیکن مولوی اشرف علی کی طرح نہیں کہ حدیث کا مطلب صاف معلوم ہونے کے بعد بھی اس کا ایسا من گھڑت معنی کریں کہ کسی نے کیا ہی نہ ہو. پھر ہیں کون؟ مقلد جو کم فہمی کی وجہ سے تقلید کر رہے ہیں. خدا کی شان ؎

یہ ٹھیرے ہیں اسلام کے رہنما اب !
لقب ان کا ہے وارثِ انبیا اب

اچھا ! اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے اور راہِ راست پر لائے۔ آمین۔

مسئلہ ہشتم

رفعِ یدین

"رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں کرے پھر نہ کرے. ترمذیؒ جلد اول ص۵۹ میں علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (م طبع سعیدی)

کی نماز پڑھاؤں۔ پھر نماز پڑھائی اور صرف اول بار میں یعنی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا۔

(روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس کو حسن کہا اور یہ بھی کہا کہ اس مضمون کی حدیث حضرت براء سے بھی آئی ہے۔)

ابو داؤد مجتبائی جلد اول ص۱۱۶ میں حضرت براء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک رفع یدین کرتے اور پھر نہ کرتے۔"

(روایت کیا اس کو ابوداؤد نے ص۲۰۰)

جواب

مولوی اشرف علی صاحب خیانت بہت کرتے ہیں۔ ترمذی میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو بیشک حسن کہا ہے لیکن یہ حسن کہنا محض اسناد کے لحاظ سے ہے جس میں تین شرطیں ہیں:۔

- ایک یہ کہ اس میں کوئی راوی ایسا نہ ہو جس پر جھوٹ کی تہمت ہو (اگر مجہول ہو یا کمزور حافظہ والا ہو تو کوئی حرج نہیں)
- اور دوسری یہ کہ ایک ثقہ اپنے سے بڑے ثقہ یا ایک ثقہ کئی ثقوں کی مخالفت نہ کرے۔
- تیسری یہ کہ کئی سندوں سے مروی ہو۔

بس یہ ترمذی کے نزدیک حسن ہے۔ چنانچہ خود امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب کے اخیر میں ص۲۶۵ پر اس کی تصریح کی ہے اور اسی کو "حسن لغیرہ" بھی کہتے ہیں۔ پس جب سند کی رو سے حسن مراد ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے اندر کوئی اور عیب نہ ہو۔ اسی واسطے مشہور ہے کہ ترمذی کی تحسین سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اوروں کے اقوال بھی دیکھ لینے چاہییں اگر کسی اور نے کوئی عیب بیان نہیں کیا تو حدیث بالکل درست ہوگی اور اگر کسی نے کوئی عیب بیان کیا ہوگا تو دیکھا جائے کا کہ اسناد کی رو سے بیان کیا ہے یا سوا اسناد کے۔ اگر اسناد کی رو سے بیان کیا ہے تو ترمذی کا اور اس کا مقابلہ ہو گا جس جانب کو ترجیح ہوگی ادھر کا حکم لگا دیا جائے گا اور اگر کسی اور وجہ سے ہوگا تو ترمذی کا حسن کہنا اس کے منافی نہیں ہوگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ترمذی کے سوا کسی اور نے کوئی عیب پکڑا ہے یا نہیں۔ تو خیر اسناد سے تو ہم بحث نہیں کرتے کیونکہ اس سے گفتگو لمبی ہو جائے گی۔ صرف دوسرے عیب پر اکتفا

کرتے ہیں ــــــــــ

خود ترمذی نے عبداللہ بن مبارک سے جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں نقل کیا ہے کہ یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں اور ابوداؤد میں کہا ہے کہ یہ لمبی حدیث کا اختصار ہے۔ اس لفظ کے ساتھ صحیح نہیں اور بخاری کی "جزء رفع یدین" دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح حدیث تطبیق والی ہے یعنی جس میں یہ ذکر ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ رکوع کے وقت ہاتھ گھٹنوں کے اوپر نہیں رکھتے تھے بلکہ دونوں ہاتھ جوڑ کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے۔ راوی نے غلطی سے اس کی جگہ رفع یدین نہ کرنے کی روایت ذکر کر دی اور ایسا بہت دفعہ ہوتا ہے کہ راوی تو اچھے ہوتے ہیں لیکن اس قسم کا کوئی قصور ہو جاتا ہے پس ترمذی کا حسن کہنا بھی ٹھیک ہوا اور عبداللہ بن مبارک کا اس کو غیر ثابت کہنا اور ابوداؤد کا غیر صحیح کہنا بھی ٹھیک ہوا۔ غرض یہ حدیث قابل استدلال نہیں اگرچہ اسناد کی رو سے حسن ہو۔

اس کے علاوہ عبداللہ بن مسعود تطبیق کے مسئلہ میں غلطی پر تھے حالانکہ یہ روزمرہ کا ایک ضروری مسئلہ تھا۔ اسی طرح تین شخص جماعت کریں تو امام درمیان میں کھڑا ہو۔ یہ بھی عبداللہ بن مسعودؓ کا مذہب تھا۔ چنانچہ ابوداؤد کے ص۲۳ پر اس کی تصریح ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ بھی ان کا بالکل غلط ہے۔ ایسے کئی اور مسئلے ہیں جن میں ان سے غلطی ہوئی۔ رفع یدین کے مسئلہ میں بھی غلطی ہو گئی تو کیا تعجب ہے۔

پھر اصول کا مسئلہ ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔[1] پس اس قاعدہ کی رو سے بھی رفع یدین کی روایتوں کو ترجیح ہونی چاہیئے کیونکہ وہ مثبت ہیں خصوصاً جب کہ ان کی اسنادیں بھی بالاتفاق صحیح ہیں اور بخاری و مسلم کی ہیں اور عبداللہ بن مسعود کی حدیث بمشکل ترمذی کی اصطلاح میں حسن کے درجہ کو پہنچی ہے تو اس وقت ان کے راجح ہونے پر کس کو کلام ہو سکتا ہے مگر مولوی اشرف علیؒ مرجوح جانب ہی پسند کرتے ہیں حالانکہ مقدمہ درمختار میں لکھا ہے کہ:

"قولِ مرجوح کو اختیار کرنا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے"۔[2]

اسی طرح براء بن عازب کی جو روایت ذکر کی ہے اس کو بھی خود ابوداؤد نے رد کر دیا ہے۔ نیز

---

[1] عینی شرح ہدایہ جلد اول ص۹۸۲ میں حضرت علی کے قول لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع کی بحث میں لکھا ہے والاثبات متقدم علی النفی یعنی اثبات نفی پر مقدم ہے۔

[2] درمختار کی اصل عبارت یہ ہے ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع یعنی حکم کرنا اور فتوے دینا قولِ مرجوح پر، یہ جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔

براء بن عازب سے اس کے خلاف رفع یدین کرنے کی حدیث بھی آئی ہے[1]۔ مولوی اشرف علیؒ نے خیا
پر کمر باندھی ہے تو ان کی خوشی۔ ہمارے ذمہ اپنے بھائیوں کو مطلع کر دینا ہے۔ سو ہم الحمد للہ اس بوجھ
سبکدوش ہوگئے۔

مسئلہ نہم

آمین بالجہر

"آمین جہری نماز میں بھی آہستہ کہے۔ ترمذی جلد اول ص۵۹ میں علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر پست آواز سے آمین فرمائی۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے) اور عینی میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد طیالسی اور ابو یعلیٰ موصلی اپنی مسانید میں اور طبرانی اپنی معجم میں اور دار قطنی اپنی سنن میں اور حاکم اپنی مستدرک میں ان لفظوں سے لائے ہیں۔ د اخفیٰ بہا صوتہ یعنی پوشیدہ آواز سے آمین فرمائی اور حاکم کتاب القراءۃ میں لفظ خفض لائے ہیں اور حاکم نے اس حدیث کی نسبت یہ بھی کہا ہے صحیح الاسناد و لم یخرجاہ یعنی اس کی سند صحیح ہے اور پھر بھی بخاری و مسلم اس کو نہیں لائے اور ترمذی نے جو اس پر شبہات نقل کیے ہیں۔ علامہ عینی نے سب کا جواب دیا ہے چنانچہ اس کا خلاصہ حاشیہ نسائی مجتبائی جلد اول ص۱۴۸ میں مذکور ہے۔" (ص۳۲)

(علم فقہ سعدی)

جواب

جو کچھ ترمذی کا جواب عینی نے دیا ہے اس کا جواب الجواب حاشیہ نسائی انصاری جلد اول ص۹۴ میں
موجود ہے اور حاکم کی تصحیح کی بابت الفیہ عراقی میں لکھا ہے کہ حاکم بہت تساہل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ

---

[1] ابن عبد البر کہتے ہیں کہ جس صحابی سے رفع نہ کرنے کی روایت آئی ہے اس سے کرنے کی بھی آئی ہے سوا عبد اللہ بن مسعود کے کہ ان سے نہ کرنے کی روایت تو ہے مگر مست کرنے کی نہیں اور بخاری جزء رفع یدین میں کہتے ہیں کہ حسن بصری نے کسی کو استثناء نہیں کیا۔ گویا عبد اللہ بن مسعود کو بھی داخل کر دیا۔
(ملاحظہ ہو عون المعبود جلد اول ص۲۶۲)

حاکم کی تصحیح کو بھی ترمذی کی تحسین کی طرح ذرا دیکھ کر لینا چاہیئے اگر اور محدثین رد کریں تو حاکم کے صحیح کا اعتبار نہیں۔ اسی واسطے علماء میں مشہور ہے لا تغتر بتحسین الترمذی و تصحیح الحاکم یعنی ترمذی کے حسن کہنے پر اور حاکم کے صحیح کہنے پر دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ لیکن ترمذی کے حسن کہنے میں اور حاکم کے صحیح کہنے میں فرق ہے اور وہ یہ کہ ترمذی اپنی شرط کے پابند ہیں اور حاکم اپنی شرط میں سُست ہیں اور یہی معنی تساہل کے ہیں۔ اس لیے ترمذی کو کسی نے حسن کہنے میں تساہل نہیں کہا۔ فافہم۔

○

فاتحہ، رفع یدین، آمین

مسئلے تو اور بھی اختلافی ہیں لیکن ان تین کا چرچا بہت ہے۔ ان پر مستقل رسائل لکھے گئے ہیں۔ انہی پر زیادہ تر دنگا فساد ہوتا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ان کے متعلق کچھ اور گفتگو کریں۔ فاتحہ کے مسئلہ کے متعلق دو اختلاف ہیں:۔

ایک یہ کہ فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہے یا نہ ———؟

دوسرا یہ کہ مقتدی فاتحہ پڑھے یا نہ ———؟

ہم ہر ایک کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔

تفصیل اختلافِ اوّل

حنفیہ کہتے ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔ خواہ اکیلا ہو یا امام ہو یا مقتدی ہو۔ کبیری شرح منیہ المصلّے ص ۲۹۹ میں ہے: ———

يَأْثَمُ بِتَرْكِ الْفَاتِحَةِ مِنْ غَيْرِ فَسَادٍ

یعنی فاتحہ کے چھوڑنے سے گنہگار تو ہو جائے گا لیکن نماز ہو جائے گی۔

ہدایہ صـ۵۶ میں ہے :۔۔۔۔۔۔۔

ثم یقرأ الفاتحة وسورة او ثلث ایات من ای سورة شاء فقراءة الفاتحة لا یتعین رکنا عندنا

یعنی بسم اللہ پڑھ کر پھر فاتحہ پڑھے اور ایک سورت پڑھے یا تین آئتیں جونسی سورت سے چاہے پڑھے۔ پس قراءۃ فاتحہ ہمارے نزدیک رکن ہونے کے لیے معین نہیں بلکہ اس کے بغیر نماز ادا ہو جائے گی۔

حنفیہ کا یہ مسئلہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے کیونکہ یہ صریح حدیث کے خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز ہے۔ یہ کتنی بڑی دلیری ہے۔ پھر حنفیہ کے اس مسئلے کا قائل ہمیں کوئی صحابی بھی نہیں ملتا۔ ہم نے بہت کتابوں میں جستجو کی کہ کہیں ہمیں ایک ہی صحابی کا قول مل جائے مگر نہیں ملا تو اس سے خطرہ اور بڑھ گیا کیونکہ "فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہونے کے تو بہت صحابہ قائل ہیں" اور "نماز ہونے" کا قائل ایک صحابی بھی نہیں ملتا۔

مولوی اشرف علی کا حدیث لا صلوٰۃ کو اکیلے کے لیے قرار دینا اور اس پر دلیل سفیان محدث کا قول اور جابر بن عبداللہ کی موقوف حدیث پیش کرنا یہ محض پردہ پوشی ہے۔ سفیان محدث اور جابر بن عبداللہ یہ تھوڑا ہی کہتے ہیں کہ امام اور اکیلے کی نماز بھی بغیر فاتحہ کے ہو جائے گی۔ ہم ترمذی سے جابر بن عبداللہ کی موقوف حدیث نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ حنفیہ جس صحابی کے قول کو پیش کرتے ہیں خود ہی اس پر عمل نہیں کرتے۔ ترمذی جلد اول صـ۴۲ طبع سعیدی میں ہے:

عَنْ اَبِیْ نُعَیْمٍ وَھْبِ بْنِ کَیْسَانَ اَنَّہٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی رَکْعَۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ

یعنی جو فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

دیکھیے اس میں صاف ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ صرف مقتدی کو الگ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ترمذی کے صـ۴۳ میں جابر بن عبداللہ کو بھی انہی علماء میں ذکر کیا ہے جو کہتے ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔[1] ناظرین خیال فرمائیں کہ مقتدی کے بارے میں تو جابر کی حدیث کو لے لیا اور باقی حصہ کو چھوڑ دیا

---

[1] ملاحظہ ہو ترمذی صـ۴۳

اور ہمارے بھائیوں کی یہ عام عادت ہے کہ مذہب کا پاس ضرور کرتے ہیں جتنی بات موافق ہوتی ہے اتنی لے لیتے ہیں باقی کو جواب۔ دیکھیئے ترجیعِ اذان کے مسئلہ میں بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ترجیعِ اذان اسے کہتے ہیں کہ کلمہ شہادت اذان میں چار مرتبہ کہا جائے۔ دو مرتبہ معمولی آواز سے، دو مرتبہ زور کی آواز سے جس حدیث میں اس ترجیع کا ذکر ہے وہ ابی محذورہ کی حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔ اس میں دو مسئلہ ہیں ایک ترجیعِ اذان کا ایک اقامت کے کلمے دو دو مرتبہ کہنے کا۔ اب حنفیہ اقامت کے کلمے تو دو مرتبہ کہتے ہیں لیکن ترجیع اذان سے انکاری ہیں۔ (ملاحظہ ہو شرح وقایہ[ض] جلد اول ص۱۳۵[ا]) سچ ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔

(۲ طبع سعیدی کراچی)

خلاصہ یہ کہ ہمیں کسی صحابی کا قول حنفیہ کے مطابق نہیں ملا۔ ہاں اس مسئلہ کے قائل بہت سے صحابہؓ ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ چنانچہ ترمذیؒ کے ص۵۶[۲] میں بہت سے صحابہؓ کا یہ مذہب تبلایا ہے جن میں سے حضرت جابرؓ بن عبد اللہ۔ عمرؓ۔ عمرانؓ بن حصین بھی ہیں۔ زیادہ تفصیل دیکھنی ہو تو بخاری کی جزء القراءہ وغیرہ ملاحظہ ہو۔

(۲ طبع سعیدی)

اب اس مسئلہ میں جو حنفیہ دلائل دیا کرتے ہیں اس کا بھی مختصر سا حال سن لیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ　　　یعنی قرآن سے جو آسان ہو پڑھو۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ تقریر استدلال کی یوں ہے کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نے مطلق قراءت کا امر فرمایا ہے۔ فاتحہ کو خاص نہیں کیا۔ اب حدیث کے ساتھ فاتحہ کو خاص کرنا قرآن کا خلاف ہے۔ ہاں حدیث پر یوں عمل ہو سکتا ہے کہ حدیث کا معنی بدل کر یوں کیا جائے کہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز ہو جائے گی لیکن ناقص ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ فاتحہ کے چھوڑنے سے گنہگار ہو جاتا ہے"

یہ ان کے استدلال کی تقریر ہے جو ہدایہ وغیرہ میں کی ہے لیکن اس دلیل میں کئی خرابیاں ہیں:۔

ایک یہ کہ حنفیہ کی اس دلیل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نماز سے انکاری ہو کر لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ تو پڑھے اور اس کے آگے وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نہ پڑھے۔ کیونکہ اگر اس آیت کے آگے پیچھے دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق ہی نہیں کیونکہ یہ آیت تہجد کے بیان میں ہے اور تہجد کسی

[ا] حاشیہ اگلے دو صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ص ۵۶۔ ۵۷)

(حاشیہ) مشکوٰۃ میں دو حدیثیں ہیں ان سے بھی بعض حنفیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے خواہ ناقص ہی ہو۔ پہلی حدیث باب القراءۃ فی الصلوٰۃ میں ہے، جو یہ ہے:۔

مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَیْرُ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ هُرَیْرَۃَ اِنَّا نَکُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قَسَمْتُ الصَّلٰوۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ ——

یعنی جو بغیر فاتحہ کے نماز پڑھتا ہے اس کی نماز ناقص ہے نہ پوری۔ ابوہریرہ کو کہا گیا ہم کبھی امام کے پیچھے ہوتے ہیں فرمایا اپنے نفس میں پڑھ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی ہے اور بندے کے لیے ہے جو کچھ اس نے مانگا ہے۔

دوسری حدیث باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔ ایک شخص نے آپؐ کے سامنے نماز خراب کر کے پڑھی تو آپ نے اس کو نماز سکھائی فرمایا:۔ ——

اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ——

یعنی جب تو نماز کو کھڑا ہو تو وضو پورا کر پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہہ پھر جو تیرے لیے آسان ہو قرآن سے پڑھ۔ ——

پہلی حدیث سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب فاتحہ کے بغیر نماز کو ناقص فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ نماز ادا ہو جاتی ہے خواہ ناقص ہی سہی۔ دوسری حدیث سے استدلال کی تقریر وہی ہے جو آیت فاقرءوا ما تیسر کی ہے تو اس کا جواب بھی تقریباً وہی ہوگا جو اس آیت کا ہے۔ اس کے علاوہ دو جواب اور ہیں۔

ایک یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو خراب نماز پڑھتے دیکھ کر تعلیم دینے لگے تو کیا پھر خراب نماز سکھا دی یعنی مطلق قراءت کا حکم دے دیا جس سے نماز ناقص ادا ہوتی ہے۔ حاشا وکلا! نبی کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ جس گڑھے سے اس کو نکالنا چاہتے تھے پھر اسی میں دھکیل دیں۔ بلکہ مراد آپ کی یہ تھی کہ اگر فاتحہ یاد نہ ہو تو جو آسان ہو پڑھ۔ چنانچہ یہی روایت آگے چل کر صاحب مشکوٰۃ نے ذکر کی ہے۔ اس میں قرآن مجید یاد نہ ہونے کی صورت میں حمد اور تکبیر اور لا الٰہ الا اللہ کہنے کا ارشاد فرمایا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں فاتحہ کی تصریح بھی آئی ہے۔ چنانچہ صاحبِ مشکوٰۃ نے آگے چل کر یہ الفاظ ذکر کیے ہیں فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَقْرَاَ یعنی تکبیر کہہ پھر فاتحہ پڑھ اور جو اللہ نے چاہا۔ یعنی فاتحہ کے بعد کوئی سورت وغیرہ۔ اسی طرح بلوغ المرام وغیرہ میں ہے۔

رہی پہلی حدیث سو اس کی بابت عرض ہے کہ نقصان دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس سے شے ایسی نکمی ہو جائے کہ جس فائدہ کے لیے وہ بنائی گئی ہے وہ فائدہ بالکل اس سے حاصل نہ ہو۔ ایک یہ کہ اس حد تک نہ پہنچے۔ پہلے کو نقصانِ ذاتی کہتے ہیں دوسرے کو وصفی۔ "خداج" کے معنی لغت میں کچے حمل کے لکھے ہیں جو ساقط ہو جاتا ہے (ملاحظہ ہو مجمع البحار اور نہایہ اور قاموس اور مصباح المنیر وغیرہ) اور یہی معنی محدثین نے لکھے ہیں (ملاحظہ ہو نووی اور کتاب الاستذکار لابن عبدالبر وغیرہ) اور ظاہر بات ہے کہ کچا حمل جو جھڑ جاتا ہے وہ بالکل نکما ہوتا ہے چنانچہ امام بخاری جزء القراءۃ میں لکھتے ہیں قال ابو عبید يُقَالُ اَخْدَجَتِ النَّاقَةُ اِذَا سَقَطَتْ وَالسَّقْطُ مَيِّتٌ لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ انتہی۔ "یعنی ابو عبید کہتے ہیں کہ عرب لوگ اخدجت الناقۃ (خداج والی ہوگئی اونٹنی) اس وقت بولتے ہیں جب اونٹنی حمل گرا دے یعنی اس کا حمل کچا جھڑ جائے اور کچا حمل میت ہے جو کسی کام نہیں"۔ پس جو نماز کچا حمل ہوگی اس کے بطلان میں کیا شبہ؟

اس کے علاوہ اس حدیث میں تقسیم نماز کا ذکر ہے جس سے مراد فاتحہ کی تقسیم ہے کہ آدھی میں اللہ کی تعریف اور بزرگی اور الوہیت کا ذکر ہے اور آدھی میں بندے کی احتیاجی اور اس کے مانگنے کا ذکر ہے۔ گویا فاتحہ کو ایسا اعلیٰ رکن قرار دیا ہے اور نماز ہی یہی ہے اور اسی بنا پر حضرت ابو ہریرہؓ نے امام کے پیچھے بھی ترکِ فاتحہ کی اجازت نہیں دی ——————

اب بتلایئے کہ اتنے بڑے رکن کے نہ ہونے سے بھی نماز کا کچھ باقی رہ سکتا ہے؟ پھر تقسیم کس شے کی ہوگی۔ پس ثابت ہوا کہ خداج کے معنے نقصان ذاتی کے ہیں نہ نقصان وصفی کے۔ نیز ایک حدیث میں ہے لَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (ملاحظہ ہو منتقی الاخبار) یعنی فاتحہ کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی۔ یہ حدیث بھی چاہتی ہے کہ خداج کے معنی نقصانِ ذاتی کے ہوں نہ نقصانِ وصفی کے۔ اس طرح کی اور بھی بعض روایتیں ہیں جو نقصانِ وصفی مراد لینے سے مانع ہیں۔ اور اگر فرضی طور پر کتبِ لغت اور حدیثِ خداج کے الفاظ اور حدیث لا تجزئ وغیرہ سے قطع نظر کر کے مان لیا جائے کہ "خداج" کے معنی نقصانِ وصفی کے بھی آتے ہیں تو بتلایئے۔ اس حدیث میں نقصانِ وصفی کے معنے لینے پر کیا دلیل ہے۔ جب دونوں معنوں کا احتمال ہو تو ایک کو بلا دلیل معین کرنا جائز نہیں۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (حاشیہ ختم ہوا)

کے نزدیک ضروری نہیں۔ پس یہ امر وجوب کے لیے نہ ہوا بلکہ استحباب کے لیے ہوا حالانکہ حنفیہ وجوب کے قائل ہیں جس کا تارک مجرم ہے کیونکہ اگر وجوب کے قائل نہ ہوں تو کہنا پڑے گا کہ نماز میں مطلق قراءۃ مستحب ہے خواہ کوئی پڑھے[1] یا نہ۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر یہ امر وجوب کے لیے ہو تو لازم آئے گا کہ جتنا کسی کے لیے آسان ہو اتنا ہی واجب ہو مثلاً کسی کے لیے ایک آیت آسان ہے تو کسی کے لیے دس بھی آسان ہیں۔ اب کسی کے لیے ایک آیت واجب ہونی چاہیئے کسی کے لیے دس آیتیں مگر امام ابوحنیفہ صاحب اور ان کے شاگرد اس کے خلاف ہیں کیونکہ مطلق نماز کے لیے (خواہ زید کی نماز ہو یا عمرو کی) ایک آیت یا تین آیتیں واجب کہتے ہیں۔ چنانچہ منیۃ المصلی وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

---

[1] اگر کہا جائے کہ تہجد مراد ہونے کی صورت میں بھی یہ اعتراض پڑے گا کیونکہ لازم آئے گا کہ تہجد میں مطلق قرات مستحب ہو حالانکہ فاتحہ کے بغیر اہلحدیث کے نزدیک کوئی نماز ہی نہیں خواہ تہجد ہو یا غیر تہجد تو اس کا جواب یہ ہے کہ تہجد میں اگر کوئی شخص فاتحہ نہ پڑھے تو بے شک اس کی تہجد تو نہیں ہو گی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ گناہ گار ہو جائے یا تہجد کا لوٹانا اس کے ذمہ ضروری ہو۔ کیونکہ تہجد کوئی ضروری نہیں۔ نہ ہوئی تو نہ سہی۔ باقی ذکر اذکار کا ثواب تو مل ہی جائے گا اگر امر وجوب کے لیے ہوتا تو اس کا تارک گنہگار ہوتا۔

اس کے علاوہ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قراءۃِ قرآن سے مراد نماز ہے کیونکہ قراءۃ قرآن نماز کا جز ہے اور جز بول کر کُل اور کُل بول کر جز کا ارادہ کرنا جائز ہے جیسے واركعوا مع الراكعين میں رکوع سے مراد نماز ہے اور حدیث قسمت الصلوٰۃ بيني وبين عبدي میں صلوٰۃ سے مراد فاتحہ ہے پس اس صورت میں فاقرءوا ما تيسر من القرآن کے معنے یہ ہوں گے کہ بطور استحباب جس قدر تہجد پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ تمہارے ذمہ لازم نہیں۔

بلکہ ایک تیسرا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ تہائی تہائی دو دو تہائی رات نماز پڑھتے تھے اور اس میں بہت دقت تھی تو اللہ تعالیٰ نے آسانی کے لیے یہ آیت اتاری فاقرءوا ما تيسر من القرآن اور ظاہر بات ہے کہ جو کچھ دقت تھی وہ فاتحہ کے بعد لمبا قرآن پڑھنے میں تھی پس یہ آسانی کا حکم بھی بطور استحباب مابعد فاتحہ سے متعلق ہو گا۔

اور بعض علماء ایک چوتھا جواب بھی دیا کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ قراءۃ قرآن سے مراد عام ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں کیونکہ قرآن بغیر نماز کے بھی تہجد کی بجائے ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو سورہ بقرہ کی اخیری دو آیتیں کسی رات پڑھ لے اس کو کافی ہوں گی (ملاحظہ ہو ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۵) پس جب قراءۃ سے مراد عام ہوئی تو فاتحہ بھی اس امر استحبابی میں داخل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ غیر نماز میں فاتحہ ضروری نہیں۔ ہاں نماز میں بے شک ضروری ہے لیکن یہ ضروری ہونا اس صورت میں اس آیت سے نہیں نکلے گا بلکہ حدیث لا صلوٰۃ سے نکلے گا۔ فافہم۔

تعجّب

حنفیہ کے دل میں رسول کی حدیث سے اماموں کے قول کی قدر زیادہ ہے۔ دیکھئے اماموں نے جو ایک آیت یا تین آیتوں کی تعیین کی ہے تو اس کو مانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فاتحہ کی سات آیتیں معین کر کے کہا ہے لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ قرآن کے خلاف ہے حالانکہ اماموں کا قول اس سے بھی زیادہ خلاف ہے کیونکہ خدا تو ہر ایک پر اتنا واجب کرے جتنا اس کو آسان ہو اور امام ایک حد مقرر کریں۔ لیکن ہمارے بھائی باوجود اس کے، اماموں کے قول کو تو قرآن کی تفسیر بنا لیتے ہیں اور رسول کی حدیث کو کہتے ہیں کہ یہ خلافِ قرآن ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خیر یہ تو دوسری خرابی کا تتمہ تھا۔ آگے اور سنیئے۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ جیسے اس آیت میں فاتحہ کو خاص نہیں کیا، مقتدی کو بھی تو خاص نہیں کیا تو جیسے امام کو یا اکیلے کو حکم ہے کہ وہ مطلق قرآن پڑھے خواہ فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ اسی طرح مقتدی کو حکم ہے حالانکہ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ اگر کہا جائے کہ مقتدی کو آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ نے خاص کر دیا ہے تو اس کی بابت عرض ہے کہ یہ اصولِ فقہ کے خلاف ہے کیونکہ نور الانوار بحث تعارض صـ ۱۹۷-۱۹۸ میں ہے کہ:—

"آیت فاقرءوا ما تیسر تو چاہتی ہے کہ مقتدی بھی پڑھے اور آیت واذا قرئ القرآن چاہتی ہے کہ نہ پڑھے۔ ان دونوں میں تعارض آگیا۔ پس دونوں گر جائیں گی اور حدیث قراءة الامام له قراءة کی طرف رجوع ہو گا۔"

یہ نور الانوار والے کی بحث ہے اور توضیح تلویح میں بھی ان آیتوں کو ساقط کر دیا ہے۔ پس دونوں آیتوں کو اصولِ فقہ میں ساقط کر دیا ہے۔ تو آیت واذا قرئ کے ساتھ مقتدی خاص کس طرح کر سکتے ہیں اور رہا حدیث کی طرف رجوع کرنا تو صرف حدیثِ قراءة الامام له قراءة کی طرف کیوں رجوع کریں بلکہ حدیثِ لا صلوة اور حدیثِ لا تفعلوا کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیئے اور جب ان سب کی طرف رجوع کریں گے تو اہلحدیث ہی کے مذہب کو ترجیح ہو گی۔ چنانچہ ہم مسئلہ ہفتم میں تفصیل کر چکے ہیں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آیت فاقرءوا کو تہجد کے لیے سمجھنا چاہیئے تاکہ نہ کسی حدیث کے خلاف ہو نہ آیت کے اور آیت واذا قرئ القرآن سے بجز فاتحہ کے سوا باقی قراءة مراد لینی چاہیئے۔ کیونکہ

یہ آیت بالاتفاق اپنے عموم پر نہیں۔ لڑکے جب مدرسوں میں پڑھتے ہیں تو کسی کا یہ مذہب نہیں کہ ایک لڑکا پڑھے اور باقی سنیں۔ اس لیے ہمارے بھائی اس آیت کو نماز میں لیتے ہیں۔ پس جب یہ عموم پر نہ ہوئی تو جیسے مدرسوں کے لڑکے نکل گئے اسی طرح امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے والا حدیثِ لا صلوٰۃ اور حدیث لا تفعلوا کے ساتھ نکل گیا۔

یا اس آیت کو وعظ کے بارے میں لینا چاہیے کیونکہ اس کے آگے پیچھے کافروں کو خطاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو وعظ ہی کرتے تھے۔ نماز نہیں پڑھاتے تھے کیونکہ نماز تو مسلمانوں کو پڑھائی جاتی ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں قریب اسی کے تقریر کی ہے۔

یا صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونچی پڑھتے تھے تو اونچی پڑھنے سے روکنے کے لیے اتری ہے چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ کے ۱۶۸ طبع سعیدی میں ہے۔

بہرصورت اس کا بھی ایسا معنی لینا چاہیے جو نہ کسی آیت کے خلاف ہو نہ حدیث کے اور اگرخواہ مخواہ دونوں آیتوں کو ٹکرا کر حدیث ہی کی طرف رجوع کرنا ہو تو ابھی ہم بتلا چکے ہیں کہ پھر صرف حدیث قراءۃ الامام کی طرف رجوع نہ کرنا چاہیے بلکہ حدیث لا تفعلوا اور حدیث لا صلوٰۃ کی بھی طرف رجوع کرنا چاہیے اور حدیث قراءۃ الامام لہ قراءۃ کو فاتحہ کے سوا باقی قراءۃ پر حمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ مسئلہ ہفتم میں تفصیل ہو چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر آیت فاقرءوا کا یہ معنی کریں کہ نماز میں مطلق قراءۃ واجب ہے تو اس میں ایک تو قرآن کے سیاق و سباق کی مخالفت ہے کیونکہ سیاق و سباق تہجد کے بارے میں ہے دوسرے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے قول کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے ہر ایک کے لیے ایک آیت یا تین آیتوں کا اندازہ مقرر کر دیا ہے اور یہ آیت چاہتی ہے کہ ہر ایک پر ایک اندازے کے موافق واجب نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی اللہ سے ڈرو جس قدر طاقت رکھو۔ یہاں ڈر کا اندازہ نہیں بلکہ جتنا کوئی ڈر سکے اتنا حکم ہے۔ ٹھیک اسی طرح آیت فاقرءوا کا حال ہوگا۔

تیسرے آیت واذا قرئ القرآن اس کے مخالف ہوگی کیونکہ یہ (فاقرءوا) چاہتی ہے کہ مقتدی پڑھے اور واذا قرئ القرآن چاہتی ہے کہ مقتدی نہ پڑھے بلکہ حدیثِ لا تفعلوا بھی اس کے مخالف ہے کیونکہ حدیث لا تفعلوا چاہتی ہے کہ مقتدی صرف فاتحہ ہی پڑھے اور فاقرءوا ما

تلبیس چاہتی ہے کہ جو آسان ہو پڑھے۔ بلکہ حدیث لا صلوٰۃ کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ اگر حدیث لا صلوٰۃ کے یہ معنی کیے جائیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز ہی نہیں تو مخالفت ظاہر ہے اور اگر وہ معنی کیے جائیں جو ہمارے بھائی کرتے ہیں کہ نماز کامل نہیں تو بھی مخالفت ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید ناقص نماز نہیں سکھاتا بلکہ کامل نماز سکھاتا ہے تو اگر آیت فاقرءوا میں امر مطلق قراءۃ کے لیے نماز میں ہو تو ضرور ہے کہ یہ نماز ناقص نہ ہو۔ حالانکہ فاتحہ نہ ہونے کے وقت ہمارے بھائیوں کے معنی پر حدیث چاہتی ہے کہ نماز ناقص ہو۔ اس کے علاوہ اندیشہ ہے کہ صحابہ سے مخالفت لازم آئے کیونکہ صحابہ میں ہمیں کوئی ایسا نہیں ملتا جس نے تصریح کی ہو کہ امام اور اکیلے کی نماز بھی فاتحہ کے بغیر ہو جاتی ہے۔ غرض بہت سی خرابیاں ہیں۔ اور اگر تہجد کے بارے میں ہو اور امر استحباب کے لیے ہو تو سارا قصہ ہی ختم۔

اسی طرح اگر آیت واذا قرئ القرآن کو عام رکھیں تو ایک تو مدارس میں لڑکوں کو تکلیف۔ دوسرے اس کے سیاق و سباق کی مخالفت۔ کیونکہ اس کا سیاق و سباق چاہتا ہے کہ وعظ کے بارہ میں ہو۔ تیسرے حدیث لا تفعلوا اور حدیث لا صلوٰۃ کا ترک لازم آتا ہے اور اگر اس کو وعظ کے بارے میں لیں یا اپنے بھائیوں کے خیال میں موافق نماز میں لیں لیکن جیسے نماز میں لیں ساتھ یہ بھی تخصیص کر لیں کہ فاتحہ کے سوا باقی چپ کر کے سننا چاہیئے تو پھر سب آیتوں اور حدیثوں میں موافقت ہو جاتی ہے مگر ہمارے بھائی آیتوں اور حدیثوں کو ٹکرا کر ہی راضی ہیں۔ اپنا مذہب رہے باقی سب کچھ جائے، کچھ پرواہ نہیں۔

اب یہاں سے ناظرین اہلحدیث کی وسعتِ نظر کو دیکھیں کہ ہر ایک آیت و حدیث ان کے مدنظر ہے اور حنفیہ کی تنگ نظری کا اندازہ کریں کہ سوا مذہب امام کے اور کچھ خیال ہی نہیں۔ سچ ہے ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم!
الا حدیثِ یار کہ تکرار مے کنیم

خیر آخر میں چلتے چلتے ہم اپنے بھائیوں کو ان کے ایک بڑے بزرگ کی وصیت ہی سنا دیں۔ شائد اسی کا کچھ خیال کریں۔ صاحب درمختار مقدمہ درمختار میں لکھتے ہیں:

"ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع"

یعنی قولِ راجح چھوڑ کر مرجوح پر فیصلہ کرنا یا فتوے دینا جہالت اور اجماع کا توڑنا ہے۔

اب ہمارے بھائیوں کو اختیار ہے کہ اپنے مذہب پر رہ کر اس وصیت کا خلاف کریں اور خواہ اہلحدیث

مذہب اختیار کر کے جہالت اور اجماع کی مخالفت سے بچیں۔ اللہ ان کو جہنم سے بچائے۔ آمین۔

تفصیل اختلافِ ثانی

ثانی اختلاف یہ ہے کہ مقتدی فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ اہلحدیث کہتے ہیں پڑھے۔ حنفیہ کہتے ہیں نہ پڑھے اس کی تفصیل مستقل طور پر مسئلہ ہفتم میں اور تفصیل اختلاف اول کے ضمن میں کافی ہو چکی ہے اب یہاں ضرورت نہیں۔ صرف چند حدیثیں اور کچھ اقوال ذکر کر کے اس مسئلہ میں انصاف پر توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

حدیثِ اول

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور عام ہے خواہ امام کی نماز ہو یا اکیلے کی ہو یا مقتدی کی ہو۔ کوئی فاتحہ کے بغیر نہیں جو لوگ اس کو اکیلے کے لیے کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں چنانچہ مسئلہ ہفتم میں گزر چکا ہے اور اگلی حدیثوں میں بھی آتا ہے۔

تردید نفی کمال

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ نماز کامل نہیں۔ یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں کیونکہ "کامل" کا لفظ حدیث میں نہیں، اپنی طرف سے لگایا جاتا ہے۔ اسی واسطے سندھی نے حاشیہ بخاری اور ابن ماجہ میں باوجود حنفی ہونے کے اور اسی طرح امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں باوجود حنفی ہونے کے اس کا رد کیا ہے کہ یہ معنی کرنا قواعد عربیہ کے خلاف ہے۔ وجہ یہ لکھی ہے کہ نفی جنس کی خبر افعال عامہ سے ہوتی ہے مگر جب کوئی دلیل دلالت کرے جیسے حدیث لا صلوٰۃ لجار المسجد وغیرہ میں دلیل ہے اور یہاں کوئی دلیل نہیں۔ پس "کمال" کا لفظ نکالنا صحیح نہیں۔ دوم بہرصورت مقتدی وغیرہ کے لیے فاتحہ تو ثابت ہو گئی کیونکہ ناقص نماز بھی تو پڑھنی درست نہیں بلکہ حکم ہے کہ نماز کو کامل کر کے پڑھو۔

حدیث دوم

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنِّيْ اَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا اِيْ وَاللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی وغیرہ)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ پر قراءۃ بھاری ہوگئی۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم میرے پیچھے پڑھتے ہو۔ ہم نے کہا، ہاں پڑھتے ہیں آپؐ نے فرمایا فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو کیونکہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

یہ حدیث بھی صحیح ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ مقتدی فاتحہ پڑھے کیونکہ اس حدیث میں مقتدیوں کو

توثیق محمد بن اسحاق

ل بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں محمد بن اسحاق راوی ضعیف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ حنفیہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اور محدثین سے اس کا ثقہ ہونا نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری حنفیؒ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور خطابی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد کھری ہے اس میں کوئی طعن نہیں۔
علامہ ابن الہمامؒ جو حنفیہ کے بڑے مجتہد ہیں فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور امام مالکؒ سے جو کچھ اس کے بارے میں جرح نقل کی گئی ہے وہ ثابت نہیں ہوئی اگر ثابت ہو تو اہل علم نے اس کو قبول نہیں کیا اور کس طرح قبول ہو حالانکہ شعبہ نے اس کو امیر المومنین فی الحدیث کہا ہے اور بڑے بڑے اس سے روایت کرتے ہیں اور بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں بڑے زور و شور سے اس کا ثقہ ہونا ثابت کیا ہے اور ابن حبانؒ نے اس کو ثقوں میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق کے حق میں جو کچھ کہا تھا اس سے رجوع کیا اور محمد بن اسحاق سے صلح کی اور اس کے پاس تحفہ بھیجا —— زیلعی حنفی نصب الرایہ میں لکھتے ہیں کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ محمد بن اسحاق نے اپنے اسناد مکحول سے یہ حدیث سنی ہے اور یہ حدیث متصل صحیح ہے یعنی اس میں تدلیس وغیرہ کا کوئی شبہ نہیں۔
مولوی عبدالحی لکھنوی حنفیؒ سعایہ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے کا قول راجح ہے۔ اسی طرح امام الکلام کے ص۱۹۴ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی حدیث درجۂ حسن سے کم نہیں بلکہ اہلِ اعتماد نے اس کو صحیح کہا ہے۔ علامہ سلام اللہ حنفیؒ محلی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کا ثقہ ہونا حق ہے۔
اس کے علاوہ محمد بن اسحاق کی احادیث سے حنفیہ جابجا استدلال کرتے ہیں اور ان کو صحیح کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ دس درہم میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔ طحاویؒ نے حنفیہ کی یہی دلیل ذکر کی ہے اور علامہ عینیؒ نے بھی شرح بخاری میں یہی حدیث ذکر کی ہے اور علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں حاکم سے اس حدیث کا صحیح ہونا نقل کیا ہے حالانکہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ حنفیہ اور محققین محدثین کے نزدیک محمد بن اسحاق ثقہ ہے۔ اسی واسطے علامہ ابن الہمام حنفیؒ فتح القدیر ص۱۸۱، ۱۰۵ میں لکھتے ہیں
اما ابن اسحاق فثقة عند نا لا شبهة عند نا في ذٰلك و لا عند محققي المحدثين یعنی محمد بن اسحاق ہمارے (حنفیہ کے) نزدیک ثقہ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں اور نہ محققین محدثین کے نزدیک شبہ ہے —— اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے القول المسدد میں لکھا ہے کہ ابن جوزی نے محمد بن اسحاق پر جو حملہ کیا ہے وہ فضول ہے کیونکہ ائمہ نے اس کی حدیث کو قبول کیا ہے اور وہ سچا ہے اور زیادہ سے زیادہ اس میں تدلیس کا عیب ہے اور اس فاتحہ کی حدیث میں وہ بھی نہیں کیونکہ مکحول سے اس کا سماع ثابت ہے چنانچہ زیلعی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور تلخیص الحبیر میں کہا ہے کہ محمد بن اسحاق اس حدیث میں اکیلا نہیں اس کے ساتھ زید بن واقد وغیرہ بھی ہے اور درایہ میں حافظ ابن حجر نے محمد بن اسحاق کی حدیث کو نقل کرکے کہا ہے اخرجه ابو داؤد باسناد رجاله ثقات یعنی ابو داؤد نے اس کو ایسی اسناد سے روایت کیا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں گویا محمد بن اسحاق کو بھی اس میں ثقہ کہا ہے کیونکہ اس اسناد میں محمد بن اسحاق بھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

خطاب کر کے فرمایا ہے کہ فاتحہ کے بغیر کچھ نہ پڑھو کیونکہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں۔

حدیث سوم

عَنْ نَافِعِ بْنِ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ اَنَّهٗ سَمِعَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ يَقْرَءُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فَقُلْتُ رَاَيْتُكَ صَنَعْتَ فِىْ صَلٰوتِكَ شَيْئًا قَالَ وَمَاذَاكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ قَالَ نَعَمْ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ الصَّلَوَاتِ الَّتِىْ يُجْهَرُ فِيْهَا الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ يَقْرَأُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَقُوْلُ مَالِىْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ فَلَا يَقْرَأَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمْ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ (دارقطنی)

نافع بن محمود سے روایت ہے کہ اس نے عبادہ بن صامت کو فاتحہ پڑھتے سنا اس حال میں کہ ابونعیم (جو امام تھے) اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ نے نماز میں کچھ کیا ہے فرمایا کیا؟ میں نے کہا کہ آپ فاتحہ پڑھتے تھے اس حال میں کہ ابونعیم اونچی قراءت کر رہے تھے فرمایا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک جہری نماز پڑھا کر دریافت کیا کہ تم سے کوئی میرے پیچھے پڑھتا تھا۔ ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں خیال کرتا تھا کہ قرآن مجھ سے کیوں چھینا جاتا ہے۔ پس تم سے کوئی کچھ نہ پڑھے جب میں اونچی آواز سے قراءت کر رہا ہوں مگر فاتحہ ________________

اس حدیث سے بھی مقتدی کے لیے فاتحہ کا پڑھنا صاف ثابت ہوا۔ اس حدیث کی نسبت دارقطنی نے کہا ہے هذا اسناد حسن ورجاله ثقات یعنی اس کی سند اچھی ہے اور راوی اس کے ثقہ ہیں۔ اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ نافع بن محمود عن عبادة بن الصامت ثقة انتهى ملخصا یعنی نافع بن محمود جو عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں، ثقہ ہیں اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی غیث الغمام کے ص۱۱۹ میں لکھتے ہیں ذکره ابن حبان فی الثقات یعنی نافع بن محمود کو ابن حبان نے ثقوں میں ذکر کیا ہے۔

غرض یہ حدیث بھی بالکل ٹھیک ہے۔ پھر یہ کئی سندوں سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو غیث الغمام۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ نافع بن محمود اس حدیث میں مجہول ہے یعنی اس کا حال معلوم نہیں۔ ان کے لیے دو جواب ظاہر

ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب اس کا ثقہ ہونا معلوم ہو گیا تو مجہول کہنا ٹھیک نہ ہوا۔ دوسرا یہ کہ اگر بالفرض مجہول ہو تو بھی اس کی روایت لائق استدلال ہے کیونکہ کئی سندوں سے مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں تصریح کی ہے کہ مجہول کی روایت کئی طرق سے مروی ہو تو حسن ہو جاتی ہے۔

حدیث چہارم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً لَمْ یَقْرَأْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَیْرُ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ هُرَیْرَةَ اِنَّا نَکُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ۔ (مسلم)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز پڑھے جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص ہے۔ ابوہریرہ کو کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔ فرمایا آہستہ پڑھ لیا کرو۔ یہ حدیث بھی فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں صاف ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

حدیث پنجم

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِاَصْحَابِهٖ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَیْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ فِیْ صَلٰوتِکُمْ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ فَسَکَتُوْا فَقَالَ قَائِلٌ اَوْ قَائِلُوْنَ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْیَقْرَأْ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ فِیْ نَفْسِهٖ (جزء القراءۃ۔ صحیح ابن حبان ابو یعلیٰ اوسط طبرانی)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو ان پر متوجہ ہوئے پس فرمایا کہ کیا تم اپنی نمازمیں پڑھتے ہو اس حال میں کہ امام پڑھتا ہے۔ ایک نے کہا یا چند آدمیوں نے کہا کہ پڑھتے ہیں فرمایا کہ نہ کرو اور چاہیئے کہ ایک تمہارا فاتحہ پڑھے آہستہ۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ مجمع الزوائد میں ہیثمی لکھتے ہیں رجالہ ثقات یعنی اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

حدیث ششم

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ عَائِشَةَ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ یَقْرَأُ قَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ یَّقْرَأَ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فِیْ نَفْسِهٖ (احمد۔ بیہقی۔ جزء القراءۃ)

محمد بن ابی عائشہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید — تم پڑھتے ہو اور امام بھی پڑھتا ہے انہوں نے کہا پڑھتے ہیں۔ فرمایا نہ مگر یہ کہ پڑھے ایک تمہارا فاتحہ آہستہ۔

یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ بیہقی میں ہے ھذا اسناد صحیح یعنی یہ اسناد صحیح ہے اور حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں اسنادہ حسن یعنی اسناد اس کی حسن ہے۔

حدیث ہفتم

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ (کتاب القراءۃ للبیہقی)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ بیہقی کتاب القراءۃ میں لکھتے ہیں اسنادہٗ صحیح یعنی اس کی سند صحیح ہے اور کئی طرق سے مروی ہے ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۰۸

حدیث ہشتم

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَقْرَءُوْنَ خَلْفِیْ قَالُوْا نَعَمْ اِنَّا لَنَھُذُّ ھَذًّا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ۔

(جزء القراءۃ للبخاری)

یعنی عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ کہا کہ جلدی جلدی پڑھتے ہیں فرمایا فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو ——

حدیث نہم

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَلْیَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (طبرانی کبیر)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے پس چاہیے کہ فاتحہ پڑھے۔

یہ حدیث جامع صغیر سیوطی اور کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۹۶ میں بحوالہ طبرانی ذکر کی ہے اور ہیثمی مجمع الزوائد میں کہتے ہیں رجالہ موثقون یعنی اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ علقمی شرح جامع صغیر میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کی جانب میں علامت حسن ہونے کی ہے یعنی سیوطی نے اس پر حسن کی علامت لگائی ہے۔

حدیث دہم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ (احمد۔ ابن ماجہ۔ طحاوی)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص نماز پڑھے جس میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے۔

علامہ عزیزی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں قال الشیخ حدیث حسن یعنی یہ حدیث حسن ہے ——— تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ اختصار کے لیے انہی پر اکتفا کیا گیا ہے اور ان کے خلاف کوئی صحیح حدیث نہیں جس میں خلف الامام کا نام لے کر منع کیا گیا ہو بلکہ مطلق بھی نہیں اور جو برائے نام ہے اس سے مراد سوا فاتحہ کے ہے۔ چنانچہ حدیث وَ اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا میں صفحہ ۳۲ میں گزر چکا ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی باوجود حنفی ہونے کے تعلیق الممجد صفحہ ۱۰۱ میں لکھتے ہیں:۔

لَمْ يَرِدْ فِيْ حَدِيْثٍ مَرْفُوْعٍ صَحِيْحٍ النَّهْيُ عَنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ وَكُلُّ مَا ذَكَرُوْهُ مَرْفُوْعًا فِيْهِ اِمَّا لَا اَصْلَ لَهٗ وَاِمَّا لَا يَصِحُّ

یعنی کسی روایت مرفوع صحیح میں قراءۃ خلف الامام کی ممانعت نہیں آئی اور جو کچھ اس بارے میں مرفوع احادیث ذکر کرتے ہیں۔ بعض کی تو کوئی اصل نہیں یعنی جھوٹی ہیں اور بعض صحیح نہیں یعنی ضعیف ہیں ———

اس کے علاوہ اکثر علماء اسی کے قائل ہیں چنانچہ ترمذی میں ہے:۔

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِيْنَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ ابْنِ اَنَسٍ وَابْنِ الْمُبَارَكِ

وَالشَّافِعِيِّ وَاَحْمَدَ وَاِسْحَاقَ يَرَوْنَ الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ

یعنی اکثر اہل علم کا عمل اسی (قراءۃ خلف الامام کی) حدیث کے موافق ہے۔ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تابعین سے اور یہی قول امام مالکؒ اور ابن المبارکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا ہے۔ وہ قراءۃ خلف الامام کے قائل تھے۔

قول عبد اللہ بن مبارک

نیز ترمذی میں عبد اللہ بن مبارک سے جو امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے خاص شاگرد ہیں نقل کیا ہے:۔

اَنَا اَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ وَالنَّاسُ يَقْرَءُوْنَ اِلَّا قَوْمٌ مِّنَ الْكُوْفِيِّيْنَ

یعنی میں بھی امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اور تمام لوگ بھی پڑھتے ہیں مگر ایک قوم کوفیوں کی۔

تفسیر معالم التنزیل ص۳ میں ہے:۔

وَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ فِي الصَّلٰوةِ فَذَهَبَ جَمَاعَةٌ اِلٰى اِيْجَابِهَا سَوَاءٌ جَهَرَ الْاِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ اَوْ اَسَرَّ رُوِيَ ذٰلِكَ .... عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذٍ وَهُوَ قَوْلُ الْاَوْزَاعِيِّ وَالشَّافِعِيِّ

یعنی قراءۃ خلف الامام میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت واجب کہتی ہے خواہ جہری نماز ہو یا سرّی۔ یہ مروی ہے حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور معاذؓ سے اور یہی امام اوزاعیؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔

مشہور ہے کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے اور یہ بھی مشہور ہے کہ الفضل ما شھدت بہ الاعداء یعنے فضیلت وہ ہوتی ہے جس کی مخالف بھی شہادت دیں۔ اس معیار پر اگر کسی مسئلہ کو جانچنا ہو تو فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ ہے اس نے اپنے قوتِ دلائل کی وجہ سے بہت سے حنفیہ کو بھی اپنا قائل کر لیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام نظام الملۃ والدین شاہ عبد الرحیم جو شیخ التسلیم کے لقب سے مشہور ہیں اور بالاتفاق علماء ماوراء النہر مذہب حنفی میں مجتہد ہیں وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ چونکہ مخالفوں نے عوام کو اس مسئلہ سے رد کنے کے لیے ایک جھوٹی حدیث مشہور کر رکھی ہے کہ "جو امام کے پیچھے پڑھے گا اس کے منہ میں انگارہ پڑے گا" اس لیے وہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"اگر میرے منہ میں انگارہ ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ مجھے کہا جائے کہ سرے سے تیری نماز ہی نہیں کیونکہ سرے سے نماز نہ ہونے کا عذاب سخت ہے۔"

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحبؒ انفاس العارفین میں اپنے والد صاحبؒ کی نسبت لکھتے ہیں کہ:۔

"اکثر مسائل فرعیہ میں مذہب حنفی پر چلتے مگر جب دلیل کی رو سے کسی اور مذہب کا مسئلہ قوی پاتے تو اس پر چلتے۔ ان میں سے ایک مسئلہ فاتحہ خلف الامام کا ہے۔"

اور خود بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

ملا جیون تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں:۔

فَاِنْ رَاَیْتَ الطَّائِفَةَ الصُّوْفِیَّةَ وَالْمَشَائِخَ الْحَنَفِیَّةَ تَرَاهُمْ یَسْتَحْسِنُوْنَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ لِلْمُؤْتَمِّ كَمَا اسْتَحْسَنَهُ مُحَمَّدٌ اَیْضًا فِیْمَا رُوِیَ عَنْهُ

یعنی اگر تو صوفیہ کے گروہ کو اور حنفیہ مشائخ کو دیکھے گا تو فاتحہ خلف الامام کے استحباب کے قائل پائے گا جیسے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ اس کو مستحب سمجھتے ہیں۔

بلکہ خود امام ابو حنیفہؒ صاحب سے بھی یہی مروی ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ جلد اول ص۱۴۱ میں فرماتے ہیں کہ:۔

رُوِیَ عَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ اسْتَحْسَنَ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ لِلْمُؤْتَمِّ فِی السِّرِّیَّةِ وَمِثْلُهُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ صَرَّحَ بِهٖ فِی الْهِدَایَةِ وَالْمُجْتَبٰی شَرْحِ مُخْتَصَرِ الْقُدُوْرِیِّ وَغَیْرِهِمَا وَهٰذَا هُوَ مُخْتَارُ كَثِیْرٍ مِّنْ مَّشَائِخِنَا وَعَلٰی هٰذَا فَلَا یُنْكَرُ اِسْتِحْسَانُهَا فِی الْجَهْرِیَّةِ اَثْنَاءَ سَكَتَاتِ الْاِمَامِ بِشَرْطِ اَنْ لَّا یُخِلَّ بِالسَّمَاعِ

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مقتدی کے لیے سرّی نماز میں قراءۃ فاتحہ اچھی ہے اور اس کی مثل امام ابو حنیفہؒ سے بھی روایت ہے چنانچہ ہدایہ اور مجتبی شرح مختصر قدوری اور ان کے سوا دیگر کتب میں اس کی تصریح کی ہے اور یہی ہمارے مشائخ کا مختار ہے اور اس بنا پر جہری نماز میں بھی امام کے سکوت کے درمیان پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ امام کی قراءۃ کا سننا فوت نہ ہو۔

اس سے بڑھ کر اور سنیئے علامہ شعرانی میزان میں لکھتے ہیں کہ:۔

"یہی ان کا آخری قول ہے اور نہ پڑھنے کا قول پہلے کا تھا اس سے انہوں نے ——

رجوع[1] کر لیا ہے۔ ——— بس اب تو کوئی نزاع باقی نہ رہا۔ وللہ الحمد۔

ایک اور طرح سے مسئلہ فاتحہ خلف الامام کا ثبوت

جمعہ کا خطبہ سننا اور چپ رہنا جائز ہے اور اس کی دلیل آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ اور وہ احادیث جن میں خطبہ جمعہ میں چپ رہنے کا حکم ہے پیش کیا کرتے ہیں اور کتب حنفیہ شرح وقایہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب امام آیت کریمہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا پڑھے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آہستہ درود اور سلام بھیجنا چاہیے اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ:۔

"اس صورت میں دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے گا یعنی آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ پر بھی اور آیت يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا پر بھی۔ ٹھیک اسی طرح اگر مقتدی فاتحہ آہستہ پڑھے تو تمام آیتوں اور حدیثوں پر عمل ہو سکتا ہے۔"

ایک اور طرح سے مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو ترجیح

ہمارے بھائی فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کے لیے تو جھٹ آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ پڑھ دیتے ہیں لیکن کتابوں کو نہیں دیکھتے کہ ان میں کیا لکھا ہے؟ اس میں کسی کو شبہ نہیں کہ جتنی فاتحہ کی تاکید میں حدیثیں آئی ہیں، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کی بابت ان کا عشر عشیر بھی نہیں بلکہ سبحانک اللھم کی بابت کوئی قوی حدیث صحیح ثابت ہی نہیں بلکہ فعلی کی صحت میں بھی تردد ہے مگر باوجود اس کے جو شخص پیچھے آکر ملتا ہے اس کی بابت کوئی تو کہتا ہے کہ جہری نماز میں بھی امام کے سکوت کے درمیان میں پڑھ لے .... فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ "اس پر اتفاق ہے کہ پڑھے۔" (ملاحظہ ہو منیۃ المصلی) جب سبحنک اللھم کی بابت اتنا اختلاف ہے جس کی بابت کوئی تاکید نہیں تو اس لحاظ سے فاتحہ کا مسئلہ کتنی اہمیت رکھتا ہوگا۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر! ——— بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر!

---

[1] علامہ شعرانی کی اصل عبارت یہ ہے۔ لابی حنیفۃ و محمد قولان احدھما عدم وجوبھا علی الماموم بل ولا یسن وھذا قولھما القدیم و ادخلہ محمد فی تصانیفہ القدیمۃ وانتشرت النسخ الی الاطراف وثانیھما استحسانھما علی سبیل الاحتیاط عند المخافتۃ لحدیث المرفوع لا تفعلوا الا بام القرآن و فی روایۃ لا تقرءوا بشیء اذا جھرت الامام القرآن وقال عطاء کانوا یرون علی الماموم القراءۃ فیما یجھر فیہ الامام و فیما یسر فرجعا من قولھما الاول الی الثانی لحتیاطاً (غیث الغمام ص۱۵۶)

رفع یدین

اس مسئلہ میں حنفیہ کی طرف سے عبداللہ بن مسعود اور براء بن عازب کی حدیث پیش کی جاتی ہے جو ابھی ص۳۳ میں گزری ہے اور اس کا جواب بھی گزر چکا ہے۔ اب اہلحدیث کے دلائل سنیئے:۔

حدیثِ اوّل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَھُمَا کَذٰلِکَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ (متفق علیہ مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ)

یعنی ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت بھی اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور کہتے سمع اللہ لمن حمدہٗ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (روایت کیا اس کو بخاریؒ ومسلمؒ نے)

حدیث دوم

عَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا اُذُنَیْہِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِکَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ (متفق علیہ مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ)

یعنی مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کانوں کے برابر کر لیتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہٗ کہتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے۔

یہ دونوں حدیثیں بخاری ومسلم کی ہیں اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں۔ کسی کو ان کی صحت میں کلام نہیں۔ پھر یہ دو

ایسی کتابوں کی حدیثیں ہیں کہ حدیث کی سب کتابوں پر مقدم ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:۔

وَقَدْ صَرَّحَ الْجُمْهُوْرُ بِتَقْدِيْمِ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ فِي الصِّحَّةِ وَلَمْ يُوْجَدْ عَنْ اَحَدٍ التَّصْرِيْحُ بِنَقْضِهٖ وَاَمَّا مَا نُقِلَ عَنْ اَبِيْ عَلِيِّ النَّيْسَابُوْرِيِّ اَنَّهٗ قَالَ مَا تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ اَصَحُّ مِنْ كِتَابِ مُسْلِمٍ فَلَمْ يُصَرِّحْ بِكَوْنِهٖ اَصَحَّ مِنْ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ اِذَا الْمَنْفِيُّ اِنَّمَا هُوَ مَا يَقْتَضِيْهِ صِيْغَةُ اَفْعَلَ مِنْ زِيَادَةِ صِحَّةٍ فِيْ كِتَابٍ شَارَكَ كِتَابَ مُسْلِمٍ فِيْ اَصْلِ الصِّحَّةِ يَمْتَازُ بِتِلْكَ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ وَلَمْ يَنْفِ الْمُسَاوَاةَ

یعنی جمہور محدثین نے بخاری کے مقدم ہونے کے ساتھ تصریح کی ہے اور اس کے خلاف کے ساتھ کسی نے تصریح نہیں کی اور ابی علی نیساپوری سے جو منقول ہے کہ آسمان کے نیچے مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں تو اس میں یہ تصریح نہیں کہ مسلم بخاری سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ زیادت کی نفی ہے اور اصل صحت میں برابر ہونے کی نفی نہیں۔

مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری حنفیؒ مقدمہ صحیح بخاری ص۲ میں لکھتے ہیں:۔

واتفق العلماء علی ان اصح الکتب المصنفة صحیحا البخاری و مسلم

یعنی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بہت صحیح کتابوں کی بخاری و مسلم ہے

مولوی رشید احمد گنگوہیؒ اوثق العری کے ص۱۴ میں اختلاف روایات کا فیصلہ جو ہجرت کے موقعہ پر آپ کے قیامِ قبا کی بابت وارد ہوئی ہیں کہ قبا میں کتنے روز ٹھہرے، بخاری کے اصح الکتب ہونے کے ساتھ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"کتاب بخاری اصح الکتب ہیں جو چودہ روز مذکور ہیں وہ سب سے راجح ہیں" انتہی

اب ناظرین خود انصاف کر لیں کہ ایک حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو اور اصح الکتب میں ہو وہ لائق عمل ہے یا وہ جو غیر صحیح اور غیر محفوظ؟

ع

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر!

اور اگر فرضی طور پر ہم مان لیں کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث میں بھی قدرے جان ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کبھی کوئی رفع یدین نہ کرے تو اس کو ملامت نہ کی جائے نہ یہ کہ ترکِ رفع یدین کو اپنی عادت بنالے۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی تعلیق الممجد میں رفع یدین کرنے نہ کرنے کی روایتیں ذکر کرکے بطور فیصلہ کے لکھتے ہیں:۔

وَالْحَقُّ الْمُحَقَّقُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ هُوَ ثُبُوْتُ الرَّفْعِ وَتَرْكِهٖ كِلَيْهِمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا اَنَّ رُوَاةَ الرَّفْعِ مِنَ الصَّحَابَةِ جَمٌّ غَفِيْرٌ وَرُوَاةَ التَّرْكِ جَمَاعَةٌ قَلِيْلَةٌ مَعَ عَدَمِ صِحَّةِ الطُّرُقِ عَنْهُمْ اِلَّا عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ......... كَذٰلِكَ ثَبَتَ التَّرْكُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاَصْحَابِهٖ بِاَسَانِيْدَ مُحْتَجَّةٍ بِهَا فَاِذَنْ نَخْتَارُ اَنَّ الرَّفْعَ لَيْسَ بِسُنَّةٍ مُؤَكَّدَةٍ يُلَامُ تَارِكُهَا اِلَّا اَنَّ ثُبُوْتَهٗ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرُ وَاَرْجَحُ وَاَمَّا دَعْوٰى نَسْخِهٖ كَمَا صَدَرَ عَنِ الطَّحَاوِیِّ مُغْتَرًّا بِحُسْنِ الظَّنِّ بِالصَّحَابَةِ التَّارِكِيْنَ وَابْنِ الْهُمَامِ وَالْعَيْنِیِّ وَغَيْرِهِمْ مِنْ اَصْحَابِنَا فَلَيْسَ بِمُبَرْهَنٍ عَلَيْهَا بِمَا يَشْفِی الْعَلِيْلَ وَيُرْوِی الْغَلِيْلَ (التعلیق الممجد ص۹۱)

یعنی رفع یدین کے مسئلہ میں کرنا نہ کرنا دونوں ثابت ہیں مگر کرنے کی ناقل صحابہ سے بہت بڑی جماعت ہے اور نہ کرنے کی ناقل تھوڑی سی جماعت ہے باوجود اس کے نہ کرنے کی روایتوں کی کوئی سند بھی صحیح نہیں سوا عبداللہ بن مسعود کی سند کے۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود سے اور ان کے شاگردوں سے قابل عمل روایتیں آئی ہیں۔ پس اس وقت ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں کہ رفع یدین ایسی سنتِ مؤکدہ نہیں جس کا تارک قابلِ ملامت ہو مگر ثبوت کو ترجیح ہے یعنی کرنے میں ثواب ہے اور اس کے منسوخ ہونے کا دعوے کرنا جیسا کہ طحاوی اور ابن الہمام اور عینی نے بعض صحابہ کے نہ کرنے سے محض حسنِ ظن سے کیا ہے۔ یہ دعوے کچھ مدلل نہیں جس سے طالبِ حق کی تشفی ہو (کیونکہ کسی نے کبھی ترک کیا ہو تو وہ جوازِ ترک پر دلالت کرتا ہے۔)

ناظرین! یہ فیصلہ اس صورت میں ہے جب رفع یدین نہ کرنے کی حدیث میں بھی قدسے جان ہو ورنہ اصل بات وہی ہے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ واللہ الموفق۔

بخاری و مسلم کے علاوہ باقی صحاح ستہ وغیرہ میں بھی رفع یدین کی حدیثیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں یہاں تک کہ علامہ مجد الدین خیر آبادی صاحب قاموس سفر السعادۃ میں لکھتے ہیں:۔

قَدْ ثَبَتَ رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِیْ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ وَلِكَثْرَةِ رُوَاتِهٖ شَابَهَ الْمُتَوَاتِرَ

فَقَدْ صَحَّ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ اَرْبَعُ مِائَةِ خَبَرٍ وَّ اَثَرٍ وَرَوَاہُ الْعَشَرَۃُ الْمُبَشَّرَۃُ وَلَمْ یَزَلْ عَلٰی ھٰذِہِ الْکَیْفِیَّۃِ حَتّٰی رَحَلَ عَنْ ھٰذَا الْعَالَمِ وَلَمْ یَثْبُتْ شَیْءٌ غَیْرُھَا (سفر السعادۃ مصری ص۹)

یعنی ان جگہوں (یعنی تکبیر تحریمہ اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت[1]) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور کثرتِ راویوں کے باعث یہ حدیث متواتر حدیث کے یعنی یقینی کے مشابہ ہوگئی کیونکہ اس مسئلہ میں حدیثیں اور آثار چار سو آئے ہیں۔ عشرہ مبشرہ نے بھی ان کو روایت کیا ہے اور ہمیشہ رفع یدین اس حالت پر رہا یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے کوچ کر گئے اور اس کا خلاف کچھ ثابت نہیں۔

علامہ سیوطی رسالہ الازھار المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ میں لکھتے ہیں:۔

حَدِیْثُ الرَّفْعِ مُتَوَاتِرٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (التعلیق الممجد علی مؤطا محمد ص۸۹)

یعنی رفع یدین کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر آئی ہے۔

فیصلہ شاہ ولی اللہ

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ مصری ص۸۹ میں لکھتے ہیں:۔

وَالَّذِیْ یَرْفَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّنْ لَّا یَرْفَعُ فَاِنَّ اَحَادِیْثَ الرَّفْعِ اَکْثَرُ وَاَثْبَتُ

یعنی جو شخص رفع یدین کرتا ہے وہ شخص زیادہ محبوب ہے کیونکہ رفع یدین کی حدیثیں زیادہ اور پختہ ہیں ــــــــــــــــ

---

[1] یہ تین مواضع ہر رکعت میں ہیں اور دو رکعت پڑھ کر جب تیسری رکعت کے لیے اٹھے تو اس وقت بھی رفع یدین ثابت ہے چنانچہ ابو حمید اور ابن عمر کی حدیث میں ہے۔ (مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ و نسائی طبع انصاری ص۱۱۱)

آمین بالجہر

حنفیہ کا مذہب ہے کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے اور دلیل ان کی گزر چکی ہے اور اس کا جواب بھی گزر چکا ہے اہلحدیث کہتے ہیں کہ جہر سے کہنی چاہیئے۔ دلیل اس کی بہت سی روائتیں ہیں جن میں سے ہم چند کا ذکر کرتے ہیں۔

روایتِ اول

بخاری میں ہے:۔

عَنْ عَطَاءٍ اَمَّنَ الزُّبَيْرُ وَمَنْ وَّرَاءَهٗ حَتّٰى اَنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً

یعنی زبیر رضی اللہ عنہ نے اور ان کے مقتدیوں نے (مکہ کی مسجد میں) آمین کہی یہاں تک کہ مسجد کے لیے ایک ہر جلہ تھا —— فتح الباری میں ہے۔

رَوَى الْبَيْهَقِيُّ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَكْتُ مِائَتَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ (اى المسجد الحرام) اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ لَهُمْ رَجَّةً بِاٰمِيْنَ

دو سو صحابہ جب بیت الحرام میں اونچی آمین کہتے تو مسجد میں ہر جلہ برپا ہو جاتا۔

یعنی بیہقی نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ میں نے دو سو صحابہ کو پایا کہ وہ مسجد حرام میں جب امام "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کہتا تو آمین کہتے یہاں تک کہ ان کی آمین سے ایک ہر جلہ ہو جاتا۔

روایتِ دیگر —— منتقیٰ میں ہے:۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَلَا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعُ مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ رواه ابو داؤد وابن ماجة وَقَالَ حَتّٰى يَسْمَعُهَا اَهْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ

یعنی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب "غیر المغضوب

علیہم ولا الضالین" پڑھتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف میں جو آپ کے نزدیک ہوتے سن لیتے (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے) اور ابن ماجہ نے کہا ہے کہ پہلی صف سن لیتی، یہاں تک کہ (بہت آوازوں کے ملنے سے) مسجد میں ہرجلہ ہو جاتا۔

نیل الاوطار میں ہے۔ اخرجه ایضا الدارقطنی وقال اسنادہ حسن والحاکم وقال صحیح علی شرطهما والبیهقی وقال حسن صحیح (یعنی اس حدیث کو دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور اسناد اس کی اچھی ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حسن صحیح ہے۔)

حدیثِ دیگر ——— تخریج ہدایہ زیلعی میں ہے:۔

عَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِ اَنَّهَا صَلَّتْ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ فَسَمِعَتْهُ وَهِيَ فِيْ صَفِّ النِّسَآءِ اسحق بن راهويه (تخریج لهدایه للزیلعی)

یعنی ام الحصین سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب "ولا الضالین" پڑھا تو کہا آمین پس ام الحصین نے وہ آمین سنی اور وہ عورتوں کی صف میں تھی۔

تنبیہ

کبھی صرف پہلی صف والوں کا سننا اور کبھی پچھلی صفوں میں عورتوں تک آپ کی آواز کا پہنچ جانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی آپ زور کی آواز سے کہتے کبھی معمولی آواز سے۔

حدیثِ دیگر ——— نیل الاوطار میں ہے:۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهٗ رواه احمد وابو داؤد والترمذی اخرجه ایضا الدارقطنی وابن حبان وزاد ابو داؤد رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ قال الحافظ سندہٗ صحیح وصححه الدارقطنی وقد حسن الحدیث الترمذی قال ابن سید الناس ینبغی ان یکون صحیحا ———

یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھا تو آمین کہی اور آواز لمبی کی (روایت کیا اس کو احمد نے اور ابوداؤد نے اور

ترمذی نے اور دارقطنی نے اور ابن حبان نے اور ابوداؤد نے آثار زیادہ کیا ہے کہ آواز بلند کی"۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور دارقطنی نے اس کو صحیح کہا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ ابن سید الناس کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہونے کے لائق ہے۔

روائتیں اس قسم کی بہت ہیں ہم کہاں تک ذکر کریں۔ اب چار علماء حنفیہ کی اس پر شہادتیں ذکر کیے دیتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس مسئلہ میں وہ قوت ہے کہ مخالفین بھی قائل ہو گئے۔ سچ ہے ؎

الفضل ما شهدت به الاعداء

علماء حنفیہ کی چار شہادتیں

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی التعلیق الممجد[105] میں لکھتے ہیں:۔

وَالْاِنْصَافُ اَنَّ الْجَهْرَ قَوِیٌّ مِنْ حَيْثُ الدَّلِيْلِ وَقَدْ اَشَارَ اِلَيْهِ ابْنُ اَمِيْرِ الْحَاجّ فِی الْحِلْيَةِ حَيْثُ قَالَ السِّرُّ هُوَ السُّنَّةُ وَبِهٖ قَالَتِ الْمَالِكِيَّةُ فِیْ قَوْلٍ عِنْدَهُمْ يَجْهَرُ فِی الْجَهْرِيَّةِ وَعِنْدَ الشَّافِعِیّ اِنْ كَانَتْ جَهْرِيَّةً جَهَرَ بِهٖ الْاِمَامُ بِلَا خِلَافٍ وَالْمُنْفَرِدُ عَلَی الْمَعْرُوْفِ وَالْمَاْمُوْمُ فِیْ اَحَدِ قَوْلَيْهِ وَنَصَّ النَّوَوِیُّ عَلٰی اَنَّهٗ الْاَظْهَرُ وَقَدْ وَرَدَ فِی السُّنَّةِ مَا يَشْهَدُ لِكُلٍّ مِنَ الْمَذْهَبَيْنِ وَرَجَّحَ مَشَائِخُنَا بِمَا لَا يَعْرِیْ عَنْ شَیْءٍ لِّمُتَاَمِّلِهٖ فَلَا جَرَمَ اِنْ قَالَ شَيْخُنَا ابْنُ الْهَمَّامِ وَلَوْ كَانَ اِلَیَّ شَیْءٌ لَّوَفَّقْتُ بِاَنَّ رِوَايَةَ الْخَفْضِ يُرَادُ بِهَا عَدَمُ الْقَرْعِ الْعَنِيْفِ وَرِوَايَةَ الْجَهْرِ بِمَعْنٰی قَوْلِهَا فِیْ زَبَرِ الصَّوْتِ وَذَيْلِهَا

یعنی انصاف یہ ہے کہ آمین بالجہر دلیل کی رو سے قوی ہے اور ابن امیر الحاج نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنا (حنفیہ کے نزدیک) سنت ہے اور اسی کے مالکیہ قائل ہیں۔ ایک قول ان کا یہ ہے کہ جہری نماز میں آمین جہر کے ساتھ کہے اور شافعیہ کے نزدیک اگر جہری نماز ہو تو امام بلا خلاف آمین جہر کے ساتھ کہے اور اکیلے کی بابت بھی یہی مشہور ہے، اور مقتدی کی بابت (دو قول ہیں ایک یہ کہ آہستہ کہے) ایک یہ کہ اونچی کہے اور نووی نے تصریح کی ہے کہ اظہر یعنی راجح قول یہی ہے اور حدیثوں میں ہر ایک مذہب کے شواہد آئے ہیں اور ہمارے

بڑوں نے جن دلائل کے ساتھ اپنے مذہب کو ترجیح دی ہے وہ تامل سے خالی نہیں۔ اسی واسطے ہمارے شیخ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ اگر آمین کا فیصلہ میرے سپرد ہوتا تو میں اس کا یوں تصفیہ کرتا کہ آہستہ سے مراد یہ ہے کہ بہت چلا کر آمین نہ کہے اور جہر سے مراد یہ ہے کہ درمیانی آواز سے کہے (چنانچہ اوپر روایتوں میں گزر چکا ہے کہ پہلی صف سن لیتی یا زیادہ سے زیادہ عورتوں کی صف تک آواز پہنچ جاتی۔

یہ تین شہادتیں ہو گئیں۔ ایک مولوی عبدالحی صاحب کی، ایک ابن الحاج کی۔ ایک ابن الہمام۔ ابن الہمام کی تو سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس کی بابت رد المختار جلد ۴ صفحہ ۳۸۵ میں لکھا ہے

کمال ابن الہمام بلغ رتبۃ الاجتہاد ——— یعنی کمال ابن الہمام درجہ اجتہاد کو پہنچ گیا تھا ———

اب چوتھی شہادت سنیے جو قریب کے زمانہ کی ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی حنفیہ میں مسلمہ بزرگ ہیں، ان سے کسی نے سوال کیا "کہ اگر کوئی غیر مقلد ہمارے پاس کھڑا ہوا رفع یدین یا آمین بالجہر کرتا ہو تو اس کے پاس کھڑا ہونے سے ہماری نماز میں تو کچھ خرابی نہ آئے گی" مولوی رشید احمد صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

"کچھ خرابی نہیں آئے گی۔ ایسا تعصب اچھا نہیں وہ بھی عامل بالحدیث ہے۔"[1]

مسئلہ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر پر پیرانِ پیر کی شہادت

اب اخیر میں ہم تینوں مسئلوں کے متعلق ایک مشہور بزرگ پیرانِ پیر شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی شہادت ذکر کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اس شہادت سے ہمارے بھائی بہت خوش ہوں گے۔ شاہ صاحبؒ غنیۃ الطالبین میں ان امور کے بیان میں جن کے ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لکھتے ہیں:۔

اَلْقِیَامُ وَتَکْبِیْرُ الْاِحْرَامِ وَقِرَاءَۃُ الْفَاتِحَۃِ وَالرُّکُوْعُ (غنیہ صفحہ ۹)

یعنی ان امور سے قیام ہے اور تکبیر تحریمہ ہے اور قراءۃ فاتحہ ہے اور رکوع ہے۔

جس ہیئت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اس کے بیان میں لکھتے ہیں:۔

رَفْعُ الْیَدَیْنِ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ وَالرُّکُوْعِ وَالرَّفْعِ مِنْہُ وَوَضْعُ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّۃِ وَالنَّظْرُ اِلٰی مَوْضِعِ السُّجُوْدِ وَالْجَھْرُ بِالْقِرَاءَۃِ وَاٰمِیْنَ وَالْاِسْرَارُ بِھِمَا (صفحہ ۱۰)

یعنی نماز کی ہیئت میں تکبیر تحریمہ اور رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا، اور

---

[1] فتاوٰے رشیدیہ جلد اوّل صفحہ ۶

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے اوپر (یعنی سینے کے نچلے حصے پر) رکھنا اور قیام کی حالت میں نظر سجدہ کی جگہ میں رکھنا اور جہری نماز میں قراءت اور آمین اونچی کہنا اور سری نماز میں قراءت اور آمین آہستہ کہنا ــــــــــــــــــــ

ایک سوال کا جواب

حنفیہ کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بخاری میں عطاء سے نقل کیا ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً یعنے خدا کو عاجزی سے اور پوشیدگی میں پکارو۔

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ اس آیت میں پوشیدگی کی حالت کو اس لیے خاص کیا کہ اکثر اس میں عاجزی اور اخلاص زیادہ ہوتا ہے ورنہ جماعت میں بھی اونچی خدا کو پکارتے ہیں۔ دیکھیئے بارش کی دعا کے لیے اکھٹے ہو کر نکلتے ہیں بلکہ پانچ وقتی نماز میں بھی جماعت میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ عرض ہے کہ وباء (طاعون ہیضہ وغیرہ) کے وقت حنفیہ بھی دعاء قنوت اونچی پڑھنے کے قائل ہیں۔ چنانچہ رد المختار جلد اول ص۴۹۶ میں اس کی تصریح کی ہے۔ بلکہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ط تین نمازوں میں امام اونچی پڑھتا ہے تو اگر ہر دعا آہستہ مانگی جاتی تو دعاء قنوت کا اور "اہدنا الصراط المستقیم" وغیرہ کا اونچی پڑھنا بھی جائز نہ ہوتا اور اگر یوں کہا جائے کہ دعاء قنوت اور "اھدنا الصراط المستقیم" خاص ہے کیونکہ ان دونوں کا حدیث سے اونچی پڑھنا ثابت ہے تو اس صورت میں ہم کہیں گے کہ آمین کا اونچی کہنا بھی حدیثوں سے ثابت ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آمین مستقل دعا نہیں بلکہ "اھدنا الصراط المستقیم" کے تابع ہے اور امام "اھدنا الصراط المستقیم" تو تین نمازوں میں اونچی پڑھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ آمین بھی اونچی کہے۔ رہا مقتدی تو اس کو حکم ہے کہ وہ امام کی اقتدار کرے۔ اس لیے وہ بھی اونچی کہے گا۔ اگر حدیث میں مقتدی کو قراءت اونچی پڑھنے سے ممانعت نہ ہوتی تو مقتدی قراءت بھی اونچی پڑھتا لیکن قراءت اونچی پڑھنے سے ممانعت ہے اور آمین اونچی کہنے کی ممانعت تو کجا بلکہ ثبوت ہے تو پھر کیوں آمین اونچی نہ کہے۔

مالک بن حویرث سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ[1] یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو اور آپ آمین اونچی کہتے تھے تو مقتدیوں کو بھی اونچی کہنی چاہیے۔ اسی واسطے عطاء باوجود اس کے کہ آمین کو

---

[1] متفق علیہ۔ مشکوٰۃ باب فیہ فصلان

دعا کہتے ہیں مگر آمین کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کو آمین کہتے پایا۔
اس کے علاوہ قرآن ہی میں دوسری جگہ دعا اونچی کرنے کی بابت ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا

یعنی اپنی دعا کو نہ بہت اونچی کر نہ بالکل آہستہ بلکہ درمیانہ طریق اختیار کر۔

****

مسئلہ دھم

نماز میں سینے پر ہاتھ دھرنا

"قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے۔ ابو داؤد نسخہ الاعرابی جلد اول ص۱۱۱ میں ابی جحیفہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھا جاوے اور ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاتھ کا پکڑنا ہاتھ سے نماز کے اندر ناف کے نیچے ہے۔ (روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو ابو داؤد نے)

تیسیر کلکتہ ص۲۱۶ کتاب الصلوٰۃ باب خامس میں پہلی روایت (کا مخرج رزین میں بھی بتلایا) ہے۔" (ص۴۳،۴۲) ———

جواب

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مولوی اشرف علیؒ بہت خیانت کرتے ہیں۔ حدیث نقل کرتے ہیں اور اس کتاب میں اس کا رد نقل نہیں کرتے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی ہے۔ ابو داؤد میں لکھا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا ہے کہ اس کو ضعیف کہتے تھے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ کس قدر خیانت ہے گویا دن میں چوری ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث بلوغ المرام میں موجود ہے۔ اس کا نام تک نہیں لیا تاکہ کسی کو صحیح بات کا پتہ نہ لگ جائے۔ اچھا اللہ آئندہ ہدایت کرے اور گزشتہ پر قلم عفو پھیرے۔ آمین

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۱۱۶ میں حضرت عائشہ وغیرہ سے ایک شان نزول یہ ذکر کیا ہے کہ دعا میں اتری ہے۔

مسئلہ پانزدہم

اخیری التحیات میں چوتڑوں پر بیٹھنا

"قعدۂ اخیرہ میں اسی طرح بیٹھیں جس طرح قعدۂ اولیٰ میں بیٹھتے ہیں مسلم مجتبائی جلد اوّل ص۱۹۴ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے اور بائیں پاؤں کو بچھاتے تھے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کرتے تھے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے) اس حدیث میں افتراش کی ہیئت میں آپ کی عادت کا بیان ہے جو اطلاق الفاظ سے دونوں قعدوں کو شامل ہے اور اقتران جملہ متضمنہ فی کل رکعتین مؤید عموم ہونا مزید براں ہے

ترمذی ص۶۲ میں وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں مدینہ آیا تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھوں گا پس جب آپ تشہد کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کیا (روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے۔)

ہر چند کہ فعل کے لیے فی نفسہ عموم نہیں ہوتا مگر جب قرائن موجود ہوں تو عموم ہو سکتا ہے یہاں ایک صحابی کا نماز دیکھنے کے لیے اہتمام کرنا جس کے لیے عادتاً لازم ہے کہ مختلف نمازیں دیکھی ہوں پھر اہتمام سے اس کا بیان کرنا۔ یہ قرائن ہیں کہ اگر دونوں قعدوں کی حقیقت مختلف ہوتی تو موقع ضرورت میں اس کو بھی بیان کرتے کیونکہ سکوت موہم غلطی ہے۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ دونوں قعدوں کی ہیئت یہی تھی۔

نسائی جلد اول ص۱۶۳ میں روایت ہے کہ انہوں نے یعنی عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ، سنت نماز کی یہ ہے کہ قدم کو کھڑا کرو اور اس کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرو اور بائیں پر بیٹھو۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے) یہ حدیث چونکہ قولی ہے اور قولی میں عموم ہوتا ہے اس لیے اس کی دلالت میں وہ شبہ نہیں۔" (ص۴۳-۴۷)

(مطبع سعیدی)

جواب

ان لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ خیانت بھی کرتے ہیں۔ پھر تصریحات کو چھوڑ کر اشاروں کنایوں سے کام لیتے ہیں۔ دیکھیے ترمذی ابو داؤد وغیرہ میں دونوں قعدوں میں فرق کی تصریح ہے۔ ابی حمید نے دس صحابہ میں جن میں سے ابو قتادہ بن ربعی، ابو اسید، سہل بن سعد، محمد بن مسلمہ بھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے کیفیت ذکر کی جس میں دونوں قعدوں میں فرق بیان کیا۔ ان دسوں نے تصدیق کی اور کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اسی طرح تھی۔ فرق یوں بیان کیا کہ پہلے قعدہ میں ایک پاؤں کھڑا کیا اور دوسرا پاؤں بچھا کر اس کے اوپر بیٹھ گئے اور اخیری قعدے میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر چوتڑوں پر بیٹھ گئے۔

مولوی اشرف علیؒ پر تعجب ہے کہ ترمذی میں ایک صحابی وائل بن حجر کی روایت تو ان کی نظر پڑی جس میں فرق و عدم فرق کی تصریح نہیں اور دس گیارہ صحابہ کی روایت نظر سے چوک گئی جس میں فرق کی تصریح ہے میرے خیال میں تو اس نظر کا نہ ہونا ہی بہتر ہے جو ایک کو تو دیکھے اور اسی جگہ گیارہ سے اندھی رہے۔ بھلا بتلائیے اس سے بڑھ کر تقلید میں اور اندھیر کیا ہوگا کہ یک در بلند لوح کا پورا عکس ہے۔ اللہ کسی کو ایسا نہ کرے۔ آمین۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم ان روایتوں سے منکر نہیں جو مولوی اشرف علیؒ نے ذکر کی ہیں۔ ہم اس قعدہ کو سنت سمجھتے ہیں جو ان روایتوں میں مذکور ہے۔ صرف اتنا کہتے ہیں کہ چونکہ ان روایتوں میں کچھ تصریح نہیں کہ یہ کونسا قعدہ ہے اور دس گیارہ صحابہ کی روایت میں تصریح ہے۔ اس لیے ان روایتوں کے قعدہ کو اول قعدہ پر عمل کیا جائے گا۔ پس اس طرح سب روایتوں میں موافقت ہو جائے گی اور اگر بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے تو بھی صریح غیر صریح پر مقدم ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کے نقل کرنے والے دس گیارہ صحابہ ہیں۔ رہا کسی کا ان میں سے منسوخ ہونا سو وہ تاریخ معلوم ہونے پر ہے اور یہاں تاریخ معلوم ہی نہیں بلکہ اگر تاریخ معلوم بھی ہو تو حتی الامکان جمع ہی بہتر ہے کیونکہ اعمال (یعنی دلیل پر عمل کرنا) اھدار (یعنی دلیل کے بیکار کرنے) سے بہتر ہے۔

اس کے علاوہ اور سنیے مؤطا امام مالکؒ میں عبد اللہ بن عمر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرکے اور بایاں پاؤں بچھا کر چوتڑوں پر بیٹھے اور مؤطا میں عبد اللہ بن دینار سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر کا چوتڑوں پر بیٹھنا قعدۂ اخیرہ میں تھا۔ اب جو روایت مولوی اشرف علیؒ نے نسائی سے ذکر کی ہے اس کی بابت یا تو یہ کہنا چاہیے کہ اس میں اختصار ہے جو مؤطا کی روایت سے ظاہر ہو گیا۔ اس

صورت میں بقاعدۂ الاحادیث یفسر بعضھا بعضًا یہ دونوں حدیثیں ایک ہو جائیں گی اور دونوں سے قعدۂ اخیرہ مراد ہو گا یا نسائی کی روایت کو قعدۂ اولیٰ پر حمل کیا جائے اور مؤطا کی روایت کو قعدۂ اخیرہ پر حمل کیا جائے۔ اس صورت میں دونوں حدیثیں الگ الگ ہوں گی اور دونوں سے الگ الگ مسئلہ ثابت ہو گا۔ ملاحظہ ہو عون المعبود بحوالہ فتح الباری ص۳۶۲ مع تشریح۔

مولوی اشرف علی صاحب! اب بتلایئے کہ عبداللہ بن عمرؓ ہی سے فرق ثابت ہو گیا یا نہ؟ آگے آپ روایتیں نہ دیکھیں تو آپ کا قصور ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

مسئلۂ دوازدھم

جلسۂ استراحت

"پہلی اور تیسری رکعت سے جب اٹھنے لگے سیدھا کھڑا ہو جاوے بیٹھے نہیں۔ ترمذی ص۶۱ میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے (روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ ابوہریرہ کی روایت پر عمل ہے اہلِ علم کے نزدیک" (ص۴۰)

جواب

ناظرین! ہم مولوی اشرف علیؒ کی خیانت کہاں تک ذکر کریں۔ مولوی اشرف علی نے ترمذی کے جس صفحہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اسی صفحہ پر دو چار سطر پہلے مالک بن حویرث کی یہ حدیث موجود ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی اور تیسری رکعت میں ذرا بیٹھ کر اٹھتے تھے" جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ پھر لطف یہ کہ اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے بلکہ بخاری میں بھی ہے جس کی صحت متفق علیہ ہے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ) اور جو حدیث مولوی اشرف علی نے نقل کی ہے اس کی بابت ترمذی میں کہا ہے کہ اس میں خالد بن ایاس راوی ضعیف ہے۔ اب بتلایئے کہ ایسے شخص سے کیا گفتگو ہو سکتی ہے جس نے تقلید کا دائرہ اتنا تنگ کر رکھا ہو کہ دو چار سطر ادھر اُدھر دیکھنا بھی مشکل ہو۔ خدانخواستہ جب

نظر کو اپنی تنگی ہوئی تو بدن کو کتنی ہو گی؟ تقلید کیا ہوئی شکنجہ ہوا۔ خدا اس سے بچائے۔ آمین۔

تنبیہ: ترمذی کا یہ کہنا کہ "ابو ہریرہ کی روایت پر عمل ہے اہل علم کے نزدیک" اس سے مراد کل اہل علم نہیں کیونکہ اس سے پہلی حدیث میں جو ہم نے ذکر کی ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے اور ہمارے اصحاب (اہل حدیث) کا بھی یہی مذہب ہے۔ جب بعض اہل علم اور اہلِ حدیث کا مذہب اس حدیث کے موافق بھی ہوا تو ضرور ہے کہ دوسری حدیث میں کل مراد نہ ہوں۔ پس اب اس صورت میں یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اہل علم کے عمل سے ابو ہریرہ کی حدیث صحیح ہوگئی کیونکہ جب کل نہ ہوئے تو اختلاف ہوا اور ضعیف حدیث عمل سے اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اختلاف نہ ہو۔ چنانچہ اشتہار امامت مشترک میں تفصیل ہو چکی ہے۔ فافہم۔

تنبیہ۔ قدموں کے پنجوں پر کھڑا ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جلسہ استراحت کے بعد جب دوسری رکعت یا چوتھی رکعت کے لیے کھڑے ہوتے یا تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو اس طرح نہ کھڑے ہوتے کہ گھٹنے کھڑے کر لیں اور پاؤں پورے (یعنے پنجے اور ایڑیاں) زمین پر لگا دیں، کیونکہ جب اس طرح بیٹھ کر کھڑے ہوں گے اور ہاتھ بھی زمین پر ٹیکیں گے۔ چنانچہ اکثر دستور ہے کہ اکثر ٹیکے جاتے ہیں تو کتے کی بیٹھک کی شکل پیدا ہو جائے گی جس کو اقعاء کہتے ہیں اور یہ منع ہے کیونکہ حدیثوں میں کہیں اونٹ کی بیٹھک سے، کہیں درندے کی طرح ہاتھ پھیلانے سے کہیں کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ گویا اس قسم کی ہیئاتِ حیوانیہ کو نماز میں مکروہ سمجھا گیا ہے۔ اقعاء سے بھی چونکہ نہی آئی ہے۔ اس طرح بیٹھ کر کھڑے ہونے سے منع فرمایا تاکہ اقعاء کی شکل پیدا نہ ہو جائے۔ پس اس صورت میں جلسہ استراحت کی اس حدیث میں نفی نہیں ہوگی اور دونوں حدیثیں بالکل موافق ہو جائیں گی۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک

حنفیہ کا حنفیہ پر ردّ

چونکہ جلسہ استراحت کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور بہت سے صحابہ کی ہے جن میں دس گیارہ کا ذکر تو ابو حمید کی حدیث میں ہے جو مسئلہ یازدہم میں گزری ہے اور ایک مالک بن حویرث ہیں جن کی حدیث اسی مسئلہ دوازدہم میں ذکر ہوئی ہے اور ایک ابو ہریرہ ہیں جن کی حدیث مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ میں متفق علیہ ہے۔ غرض جلسہ استراحت کی حدیث چونکہ نہایت صحیح اور بہت سے صحابہ کی ہے اس لیے بعض حنفیہ ہی نے حنفیہ کا رد کیا۔ سندھی حنفی نسائی کے حاشیہ میں مالک بن حویرث کی حدیث پر جس میں جلسہ استراحت کا ذکر ہے لکھتے ہیں،

هذا الحديث يدل على ثبوت جلسة الاستراحة ومن لا يقول بها حملها على أنه صلى الله عليه وسلم فعلها في آخر عمره حين ثقل ولم يفعل قصدا والسنة ما فعله قصدا (لا ما فعله بسبب آخر لكن أورد عليه قوله صلى الله عليه وسلم لمالك بن الحويرث وأصحابه صلوا كما رأيتموني أصلي وأقل ذلك أن يكون مستحبا وأيضا قد جاء الأمر بها في حديث الأعرابي المسيء صلوته والله تعالى أعلم (ص ۱۵۵)

یعنی مالک بن حویرث کی حدیث جلسہ استراحت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور جو اس کا قائل نہیں وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے کیا تھا اور کرنے کا قصد نہیں تھا اور سنت وہ کام ہوتا ہے جو قصداً ہو لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حویرث اور اس کے ساتھیوں کو کہا تھا کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح نماز پڑھو (اور مالک بن حویرث نے جلسہ استراحت کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے تو یہ بھی اس امر میں داخل ہو گیا کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح پڑھو۔ پس جب امر میں داخل ہو گیا اور امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے) تو کم سے کم مستحب تو ضرور ہونا چاہیئے۔ نیز بعض روایتوں میں جیسے حدیثِ اعرابی میں صراحۃً امر بھی وارد ہوا ہے (تو اب اس کے مسنون ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔)

سندی نے اس عبارت میں حنفیہ پر دو طرح سے رد کیا ہے:۔

ایک تو یہ کہ مالک بن حویرث جو جلسہ استراحت کی حدیث کے راوی ہیں انہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح پڑھو۔ پس کم سے کم جلسۂ استراحت مستحب ہونا چاہیے۔

دوم۔ ایک اعرابی جس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز خراب کر کے پڑھی تھی تو اس کو آپؐ نے جلسہ استراحت کا امر فرمایا ہے تو یہ کہنا کہ آپؐ نے قصداً نہیں کیا اس لیے سنت نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔

سندی کے حاشیہ کے بعد اسی حاشیہ میں لکھا ہے:۔

هكذا قال صاحب البحر الرائق ورواية الأمر بها في الصحيحين كما في المشكوة

یعنی جیسے سندی نے کہا ہے اسی طرح صاحب بحر الرائق نے بھی کہا ہے اور حدیثِ اعرابی کی جس میں جلسہ استراحت کا امر ہے وہ بخاری مسلم میں ہے جیسے کہ مشکوٰۃ (باب صفۃ الصلوٰۃ) میں (ابو ہریرہؓ

سے اس کو روایت کیا ہے۔

ناظرین اخیال فرمائیں کہ مذہب کی پاسداری میں ہمارے بھائی احادیث کو کس طرح الٹ پلٹ کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ہم بھی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک اور لطف کی بات سنیئے وہ یہ کہ رفع یدین کو منسوخ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر عمر میں ترک کر دیا تھا اور دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر وغیرہ سے ترک ثابت ہے۔ حالانکہ عبداللہ بن عمر وغیرہ سے صحیح سند کے ساتھ ترک ثابت نہیں۔ اور اگر بالفرض کبھی ترک کیا ہو تو جواز کے لیے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحی صاحبؒ کے کلام میں گزر چکا ہے۔ پھر رفع یدین کی حدیث بہت سے صحابہ سے مروی ہے جن میں مالک بن حویرث اور ابوہریرہ اور ابوحمید اور ان کے ساتھ دس صحابہ بھی ہیں۔ بلکہ حد تواتر تک پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ گزر چکا ہے نواب جو راوی جلسہ استراحت کے ہیں تقریباً وہی راوی رفع یدین کے ہیں تو رفع یدین بھی آپؐ نے اخیر عمر میں کیا تو پھر یہ منسوخ کیسے ہوا بلکہ رفع یدین کا نہ کرنا ثابت بھی ہو جائے تو اخیر عمر میں آپ کا کرنا اس کا ناسخ ہو گا کیونکہ یہ آخری فعل ہے مگر ہمارے بھائی "برعکس نہند نام زنگی کافور" رفع یدین کرنے ہی کو منسوخ کہتے ہیں ؎

لطف پر لطف ہے اطوار میں میرے دوست کے اے یار
جائے خطی سے گدا لگتا ہے ہنوز سے ھمار

مسئلۂ سیزدھم

فجر کی سنتوں کا فرضوں کے بعد پڑھنا

" جماعت میں ملنے سے جس شخص کی سنتِ فجر کی رہ جاوے وہ آفتاب نکلنے کے بعد پڑھے

ترمذی جلد اول ۹۶ میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے فجر کی دو رکعت سنت نہ پڑھی وہ ان دونوں کو بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے۔

(روایت کیا اس کو ترمذی نے ۹۶)

جواب

مولوی اشرف علیؒ نے یہاں بھی خیانت کی ہے جہاں سے یہ حدیث نقل کی ہے وہیں یہ حدیث بھی موجود ہے کہ فجر کی نماز کے بعد ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سنتِ فجر کی قضا دینے لگا تو آپؐ نے فرمایا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ فجر کی سنتیں پڑھتا ہوں تو فرمایا اس وقت کوئی حرج نہیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ پھر آپ چپ کر گئے۔ چنانچہ ابوداؤد میں یہ روایت موجود ہے۔

اس کے علاوہ مولوی اشرف علیؒ نے جو روایت ذکر کی ہے اس کو دارقطنی اور حاکم اور بیہقی نے یوں روایت کیا ہے مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُصَلِّهِمَا (نیل الاوطار ج۲ ص۲۷)

یعنی جو سنتیں فجر کی آفتاب کے نکلنے تک نہ پڑھے وہ نکلنے کے بعد پڑھ لے۔

اس روایت سے ظاہر ہو گیا کہ مولوی اشرف علی نے جو روایت ذکر کی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آفتاب کے نکلنے سے پہلے سنتیں فجر کی منع ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوا کہ جس شخص نے سنتیں فجر کی نہ نمازِ فجر سے پہلے پڑھیں نہ بعد پڑھیں یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا تو وہ آفتاب نکلنے کے بعد پڑھ لے۔ مولوی اشرف علیؒ نے نہ تو حدیث کے مطلب پر غور کیا نہ دیانت سے کام لیا۔

ایک خیانت مولوی اشرف علی نے یہ بھی کی ہے کہ حدیث کا ضعف نہیں بتلایا۔ ترمذی میں لکھا ہے کہ طلوعِ آفتاب کے بعد سنتِ فجر پڑھنے کی حدیث معروف کے خلاف (یعنی شاذ) ہے۔ اصل میں حدیث یہ تھی کہ جو شخص طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالے اس نے فجر کی نماز پالی۔ راویوں نے غلطی سے یہ حدیث ذکر کر دی کہ جس نے سنت نہ پڑھی ہوں وہ طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھ لے اور جب یہ حدیث غلط اور شاذ ہوئی تو بالاتفاق قابلِ استدلال نہ ہوئی اور جو حدیث ہم نے ذکر کی ہے اس میں ترمذی نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ مرسل ہے۔ یعنی تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتا ہے اور صحابی کا واسطہ بیچ سے گرا ہوا ہے اور مرسل حنفیہ کے نزدیک حجت ہے چنانچہ نور الانوار کے ص۱۸۹ (۴) میں ہے۔ (مطبع سعدی)

ومن القرن الثانی والثالث کذلک عندنا ای مقبول عند الحنفیة بان یقول التابعی او تبع التابعی قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کذا

یعنی تابعی یا تبع تابعی کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ یہ حنفیہ کے نزدیک مقبول ہے۔ ——————

اسی طرح حسامی کے ص ۴۹ میں ہے "بلکہ کئی علماء کے نزدیک "تابعی تبع تابعی کے بعد کے لوگوں کی مرسل بھی مقبول ہے" اب مولوی اشرف علی پر تعجب ہے کہ جو حدیث بالاتفاق مردود ہے اس کو پیش کرتے ہیں اور جو حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے اس کو ترک کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ہم عامل بالحدیث ہیں۔

پھر ایک اور لطف کی بات سنیئے، وہ یہ کہ سنتِ فجر کی قضا دینا یہ صرف امام محمدؒ کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ صاحبؒ اور امام ابو یوسف صاحبؒ جو امام محمدؒ کے استاد ہیں وہ دونوں اس کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک سنتِ فجر اگر رہ جائیں تو ان کی قضا ہی نہیں (ملاحظہ ہو ہدایہ ص ۲۶ و شرح وقایہ ص ۲۱۲ و رد المختار جلد اول ص ۵۳۳ اور حاشیہ ترمذی بحوالہ لمعات ص ۸۲) (۲ طبع سعیدی)

اصل میں یہ لوگ نہ تو مقلد ہیں نہ عامل بالحدیث ہیں۔ اپنی مرضی کے مالک ہیں جو چاہا کر لیا۔ صرف رد المختار کے ص ۵۳۳ پر **قیل** کے ساتھ ایک شاذ قول لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحبؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بھی قضائی دینے میں کوئی حرج نہیں۔ پس اس پر جم گئے ہیں اور اس کے شاذ ہونے کی کچھ پروا نہیں کرتے اور فاتحہ کے متعلق جب امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہ صاحبؒ کا قول سنایا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا مستحسن ہے تو اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ معتبر حوالوں سے ثابت ہے چنانچہ ص ۵۱ میں مولوی عبد الحی صاحبؒ کے کلام میں گزر چکا ہے بلکہ دلائل کے رد سے بھی قوی ہے لیکن پھر بھی کچھ خیال نہیں کرتے۔ اب بتلایئے کہ یہ انصاف ہے؟

رہی یہ بات کہ مرسل حدیث اہلحدیث کے نزدیک حجت نہیں تو پھر وہ نماز فجر کے بعد سنتیں کیوں قضا کرتے ہیں؟ تو اس کی بابت عرض ہے کہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے بعد کی دو سنتیں عصر کے بعد قضا[1] کیں تو معلوم ہوا کہ جس وقت میں نماز منع ہو اس میں سنتوں کی قضائی میں کوئی حرج نہیں خصوصاً فجر کی سنتوں کی بہ نسبت اور سنتوں کے زیادہ تاکید آئی ہے۔ اسی واسطے حنفیہ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کی قضا سنتوں سمیت ہو گی اور باقی نمازوں کے صرف فرضوں کی قضا ہو گی سنتوں کی نہیں ہو گی (ملاحظہ ہو ہدایہ

---

[1] اور بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قضا سے منع فرمایا ہے تو یہ ضعیف ہے چنانچہ نیل الاوطار جلد ۲ کے صفحہ ۳۰۲ سے بیہقی سے نقل کیا ہے اور اعلام اہل العصر فی احکام رکعتی الفجر کے ص ۵۸ میں بیہقی اور حافظ ابن حجر وغیرہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ایک راوی حماد بن سلمہ بن دینار بصری ہے جس کا حافظہ اخیر عمر میں خراب ہو گیا تھا اس کی روایت ثابت بنانی سے صحیح ہے غیر سے صحیح نہیں اور یہ روایت اس کی ثابت بنانی سے نہیں بلکہ ازرق بن قیس سے ہے۔ فافہم

شرح وقایہ۔ ردالمختار صفحات مذکورہ) پس جب اور سنتوں سے ان کی زیادہ تاکید آئی ہے تو ان کی قضا ایسے وقت جس میں نماز منع ہے بطریق اولیٰ صحیح ہونی چاہیے۔ پھر اس کی تائید میں مرسل حدیث بھی آگئی تو سونے پر سہاگہ ہو گیا بلکہ یہ مرسل حدیث متصل صحیح سند کے ساتھ بھی آئی ہے اور کئی ایک اس کی مؤید روایتیں بھی موجود ہیں۔ کوئی حسن کوئی ضعیف۔ چنانچہ علامہ شمس الحق نے اعلام اہل العصر فی احکام رکعتی الفجر کے صفحہ ۶۱، ۶۲ میں اس کی تفصیل کی ہے اور نیل الاوطار صفحہ ۲۱ جلد ۲ میں بھی کہا ہے کہ ترمذی کا اسکو منقطع مرسل کہنا صحیح نہیں کیونکہ ابن حبان۔ ابن خزیمہ، اور بیہقی نے اس کو متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور طبرانی کبیر سے اسی قسم کی ایک روایت ذکر کی ہے۔ جس کی سند کو عراقی نے حسن کہا ہے۔ اس کے علاوہ اور روایتیں بھی ذکر کی ہیں۔ بس یہ وجہ ہے کہ اہل حدیث فجر کی نماز کے بعد سنتوں کے قائل ہیں۔ فافہم۔

مسئلہ چہاردھم

وتر کتنے پڑھنے چاہئیں؟ اور کس طرح پڑھنے چاہئیں؟

"وتر تین رکعت ہیں اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرے لیکن دو رکعت پر التحیات کے لیے قعدہ کرے اور قنوت رکوع سے پہلے پڑھے اور قنوت کے پہلے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔

حدیث اول

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَفِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ بِقُلْ یَاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ وَفِی الثَّالِثَۃِ بِقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَلَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِھِنَّ الحدیث

حدیث دوم

عن ابی بن کعب اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلٰثِ رَکْعَاتٍ وَیَقْنُتُ قَبْلَ الرُّکُوْعِ ــــــــــــ

حدیث سوئم: عن سعید بن ھشام اَنَّ عَائِشَۃَ حَدَّثَتْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَ سَلَّمَ كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْوِتْرِ ——————(نسائی جلد اول ص۲۹۸)

خلاصہ تینوں حدیثوں کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے تھے اور قنوت قبل رکوع کے پڑھتے تھے (روایت کیا تینوں حدیثوں کو نسائی نے)

مسلم مجتبائی جلد اول ص۱۹۴ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کل رکعتین یعنی) ہر دو رکعت پر التحیات پڑھا کرتے تھے۔

عمدۃ الرعایہ لمولانا عبدالحی مطبع اصح المطابع میں ہے کہ بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عمرؓ و ابن مسعودؓ سے قنوت میں اللہ اکبر کے ساتھ رفع یدین کرنا روایت کیا ہے۔

مجموعہ احادیث سے مجموعہ مطالب ظاہر ہے اور مسلم کی حدیث میں لفظ "کل رکعتین" اپنے عموم سے وتر کی اولین کو شامل ہونے میں نص صریح ہے۔" (ص۵)

جواب

مولوی اشرف علیؒ بعض دفعہ بغیر سوچے سمجھے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اہلحدیث اور حنفیہ کا اختلاف کئی باتوں میں[1] ہے۔ ایک یہ کہ وتروں کی گنتی کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ پڑھے کس طریق سے جائیں؟ ہم ہر ایک کے متعلق الگ الگ لکھتے ہیں :——————

اختلافِ اوّل

حنفیہ کہتے ہیں کہ وتر صرف تین رکعت ہیں۔ اہلحدیث کہتے ہیں کہ ایک سے لے کر نو تک[2] درست ہیں۔

---

[1] ایک اختلاف وتر کے واجب اور سنت ہونے میں بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ صاحبؒ واجب کہتے ہیں اور اہلحدیث سنت کہتے ہیں لیکن مولوی اشرف علیؒ نے اس کا ذکر نہیں کیا جس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد بھی امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہیں وہ بھی سنت کہتے ہیں۔ چنانچہ شرح وقایہ وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے قیام اللیل کے ص۱۱۰ سے ص۱۱۵ تک اس پر کئی ایک دلائل ذکر کیے ہیں جن میں سے ایک حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات دن میں کل پانچ ہی نمازیں تمہارے لیے لکھی ہیں۔ اگر وتر بھی ہوں تو چھ ہو جائیں گی نیز وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور حدیث میں تصریح ہے کہ آپ نفلوں کے سوا سواری پر کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ وتر نفل ہیں۔ فافہم

[2] بلکہ بعض روایتوں سے زیادہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ص۳ میں اس کا ذکر آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مولوی اشرف علیؒ نے تین کی دلیلیں دی ہیں جس سے ہمیں بھی انکار نہیں۔ ان کو چاہیئے تھا کہ ایسی دلیل دیتے، جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تین سے کم و بیش درست نہیں مگر جب مولوی اشرف علیؒ نے دیکھا کہ اس کی دلیل نہیں تو تین وتر کی حدیث ذکر کر کے چلتے بنے۔ خیر اب ناظرین وہ روایتیں سنیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وتر تین سے کم و بیش بھی درست ہیں۔

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۱۱۱)
یعنی رات کی نماز دو دو رکعت ہے پس جب ایک تمہارا صبح سے ڈرے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے۔ رات کی ساری نماز کو طاق کر دے گی۔

(۲) عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ حُرَيْثٍ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى قَالَ يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ (قیام اللیل ص۵)
یعنی عقبہ بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ کا معنی پوچھا تو فرمایا ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرے (اسی طرح مسلم مصری ص۲۲۲ میں ہے)

(۳) عَنْ عَائِشَةَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ اِلٰى اَنْ يَّنْصَدِعَ الْفَجْرُ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ اثْنَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے، ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے (اسی طرح بخاری و مسلم میں ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص۱۰۵)

(۴) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتّٰى يَاْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهٖ (بخاری باب ماجاء فی الوتر)
یعنی عبد اللہ بن عمر ایک رکعت وتر اور دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے یہاں تک کہ اپنی کوئی ضرورت ہوتی تو اس کا حکم دیتے۔

(۵) وَاَصْرَحُ مِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ قَالَ صَلّٰى ابْنُ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا غُلَامُ اِرْحَلْ لَنَا ثُمَّ قَامَ فَاَوْتَرَ بِرَكْعَةٍ (فتح الباری جزء۲ ص۵۳۶)

02711

یعنی عبداللہ بن عمر نے دو رکعت پڑھ کر اپنے غلام کو کہا کہ ہماری سواری پر پالان باندھ۔ پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت وتر پڑھی۔

⑥ رَوَی الطَّحَاوِیُّ مِنْ طَرِیْقِ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ کَانَ یَفْصِلُ بَیْنَ شَفْعِهٖ وَوِتْرِهٖ بِتَسْلِیْمَةٍ وَاَخْبَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَفْعَلُهٗ وَاِسْنَادُهٗ قَوِیٌّ (فتح الباری جزء ۴ ص۵۳۶)

یعنی عبداللہ بن عمر دو رکعت اور ایک میں سلام کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے اور خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔

⑦ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِیْلَ لَهٗ هَلْ لَّكَ فِیْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مُعَاوِیَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِیْهٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِبَعْدِ الْعِشَاءِ بِرَکْعَةٍ فَقَالَ دَعْهُ فَاِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ (مشکوٰۃ ص۱۱۳)

یعنی حضرت معاویہؓ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھا۔ ابن عباسؓ کے پاس کسی نے اس کا ذکر کیا تو فرمایا معاویہؓ نے ٹھیک کیا ہے وہ فقیہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

⑧ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْیَفْعَلْ رواہ ابو داود والنسائی وابن ماجہ (مشکوٰۃ ص۱۱۲)

یعنی ابو ایوب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان پر ثابت ہے پس جو دوست رکھے کہ پانچ کے ساتھ وتر پڑھے تو پانچ کے ساتھ پڑھے اور جو تین کے ساتھ دوست رکھے وہ تین پڑھے اور جو ایک کے دوست رکھے وہ ایک پڑھے۔

(روایت کیا اس کو ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے۔)

⑨ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَکْعَةً یُوْتِرُ مِنْهَا بِخَمْسٍ لَا یَجْلِسُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِهِنَّ ثُمَّ یُسَلِّمُ وَفِیْ رِوَایَةٍ کَانَ یُصَلِّیْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَکْعَةً بِرَکْعَتَیْهِ قَبْلَ الْفَجْرِ (قیام اللیل ص۱۲۱ طبع ملتان)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات تیرہ رکعت پڑھتے پانچ ان میں سے وتر پڑھتے جن کے اخیر میں بیٹھتے پھر سلام پھیرتے اور ایک روایت میں ہے کہ فجر کی سنتوں سمیت تیرہ رکعت پڑھتے ۔ (اسی کے قریب قریب بخاری مسلم میں بھی ہے ۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص۱۱۱)

(۱۰) وعنها قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل ثلث عشرة ركعة منها الوتر وركعتا الفجر ۔ مسلم ۲۵۴ (مشکوٰۃ ص۱۰۶)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر اور سنتیں فجر کی ہیں۔

(۱۱) عن ام سلمة كان النبي صلى الله عليه وسلم يوتر بسبع وخمس لا يفصل بينهن ۔ (قیام اللیل ص۱۲۱ طبع ملتان)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات اور پانچ کے ساتھ وتر پڑھتے اور درمیان سلام کیساتھ فاصلہ نہ کرتے

(۱۲) عن عائشة رضي الله عنها وفيه فيصلي تسع ركعات لا يجلس فيهن الا عند الثامنة فيحمد ربه ويذكره ويدعو ثم ينهض ولا يسلم ثم يصلي التاسعة فيقعد ثم يحمد ربه ويذكره ويدعو ثم يسلم تسليما يسمعنا (حوالہ مذکورہ)

یعنی عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعتیں پڑھتے ۔ آٹھویں میں بیٹھتے ۔ پس خدا کی تعریف کرتے اور اس کا ذکر کرتے اور دعا کرتے پھر کھڑے ہوتے اور سلام نہ پھیرتے ۔ پھر نویں پڑھ کر بیٹھتے پھر خدا کی تعریف کرتے اور اس کا ذکر کرتے اور دعا کرتے پھر سلام پھیرتے اس طرح کہ ہم کو سناتے ۔

(۱۳) بخاری مع فتح الباری جز ۴ ص۵۳۶ میں ابن عباس سے روایت ہے :۔

صلى ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم اوتر ومقتضاه انه صلى ثلاث عشرة ركعة وصرح بذلك في رواية سلمة الاتية .... حيث قال فتتامت ولمسلم فتكاملت صلوته ثلث عشرة ركعة

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو کرکے بارہ رکعت پڑھیں پھر (ایک) وتر پڑھا تو کل تیرہ ۱۳ رکعت ہو گئیں۔

اختلافِ دوم

دوسرا اختلاف یہ تھا کہ وتر کس طریق سے پڑھنے چاہییں۔ ایک، تین، پانچ، سات کا طریق تو ایک ہی ہے کہ اخیر رکعت میں التحیات پڑھے اور سلام پھیرے اور نو کا طریق یہ ہے کہ آٹھویں میں التحیات وغیرہ پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور نویں میں التحیات۔ دعا وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے چنانچہ اختلاف اول میں بیان ہو چکا ہے رہا تین کا طریق سو اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں مغرب کی نماز کی طرح پڑھے۔ اہلحدیث کہتے ہیں کہ اس کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دے۔ ایک الگ پڑھے تاکہ صلٰوۃ اللیل مثنٰی مثنٰی پر عمل ہو جائے چنانچہ اختلافِ اول میں گزر چکا ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ پانچ کی طرح پڑھے۔ یعنی دو رکعت پر نہ تو التحیات پڑھے، نہ سلام پھیرے۔ سلام نہ پھیرنے کی دلیل وہی ہے جو مولوی اشرف علیؒ نے ذکر کی ہے اور التحیات نہ پڑھنے کی دلیل یہ ہے کہ ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا تُوتِرُوا بِثَلٰثٍ تُشَبِّهُوا بِالْمَغْرِبِ وَلٰكِنْ اَوْتِرُوا بِخَمْسٍ اَوْ بِسَبْعٍ اَوْ بِتِسْعٍ اَوْ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ (قیام اللیل ص۱۲۵)

یعنی تین وتر نہ پڑھو۔ اس میں مغرب کی مشابہت ہے بلکہ پانچ یا سات یا نو یا گیارہ یا اس سے بھی زیادہ پڑھو ——————

اب اس حدیث میں اور اس حدیث میں جس میں یہ ذکر ہے کہ تیسری ہی میں سلام پھیرتے موافقت کی صورت یہی ہے کہ درمیان التحیات نہ بیٹھے کیونکہ جب التحیات نہ بیٹھا تو مغرب کی مشابہت ٹوٹ گئی۔ اگر کہا جائے کہ دعا قنوت سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس سے مغرب اور وتر کے درمیان فرق ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تو اور نمازوں میں بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ وغیرہ سے فجر کی نماز میں ثابت ہے (ملاحظہ ہو قیام اللیل صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴) تو اگر کسی حادثہ کے وقت مغرب میں بھی دعاءِ قنوت اس طریق پر پڑھی گئی تو وتر اور مغرب میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔ ہاں اگر درمیان التحیات نہ بیٹھے تو اس صورت میں مغرب سے مشابہت نہیں ہو سکتی۔ نیز یہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ التحیات پڑھ کر اخیر کی رکعت کو الگ

ؔ نسائی میں سات کی بابت دونوں طرح کی روایت ہے یعنی نو کی طرح بھی درست ہیں اور پانچ کی طرح بھی درست ہیں ملاحظہ ہو نسائی جلد اول ص۲۵۱

کرنا سات سے شروع ہوتا ہے اگر تین سے شروع ہوتا تو اس کے اوپر پانچ میں بھی ہوتا حالانکہ پانچ بیت نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ نہ درمیان التحیات بیٹھے نہ سلام پھیرے اور مولوی اشرف علیؒ نے جو التحیات بیٹھنے کے لیے مسلم کی حدیث جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، پیش کی ہے تو یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ ہر دو رکعت میں التحیات کے ساتھ فاصلہ کرنا اور سلام نہ پھیرنا رات کی نماز خصوصاً وتر[2] اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور پانچ وتر بغیر التحیات اور سلام کے پڑھتے تھے اور نویں آٹھویں رکعت میں التحیات کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے۔ اور سات کبھی پانچ کی طرح کبھی نو کی طرح پڑھتے تھے۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت میں التحیات کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے۔ ہاں فرضوں میں ایسا ہی کرتے تھے اور اسی واسطے صحیح مسلم میں یہ حدیث فرضوں کے بیان میں ذکر ہوئی ہے پس جب یہ حدیث رات کی نماز میں نہ ہوئی تو تین وتر کے لیے اس حدیث کو پیش کرنا بالکل غلط ہوا۔

---

[1] اگر کہا جائے کہ بعض سلف سے نماز مغرب کی طرح پڑھنا ثابت ہے چنانچہ قیام اللیل صہ۱۲۲ میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیام اللیل میں سلف کا عمل دونوں طرح سے لکھا ہے یعنی نماز مغرب کی طرح بھی اور بغیر التحیات اور سلام کے بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دلیل کی رو سے کس کو ترجیح ہے یا بہتر صورت کون سی ہے تو دلیل کی رو سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تین وتر بغیر التحیات اور بغیر سلام کے پڑھنے چاہییں۔ فافہم۔

[2] ایک حدیث میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنہن وطولہن یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے تھے پس ان کی خوبی اور طول سے کچھ نہ پوچھ پھر چار پڑھتے تھے پس ان کی خوبی اور طول سے کچھ نہ پوچھ۔

اس حدیث سے چار رکعت کا ایک سلام سے پڑھنا بعض لوگ ثابت کرتے ہیں تو شاید اس حدیث کو دیکھ کر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ التحیات تو درمیان ضرور بیٹھتے ہوں گے پس صرف التحیات کے ساتھ فاصلہ ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد بھی دو دو رکعت ہی ہیں مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھ کر ترویحہ نہیں کرتے تھے یعنی دو رکعت سے سلام پھیر کر تھوڑی دیر آرام نہیں لیتے تھے بلکہ چار پوری ہو جاتیں تو ترویحہ کرتے۔ اس لیے ایک ترویحہ میں جو آپؐ نے دو دو کرکے پڑھی تھیں اس کو راوی نے چار کے ساتھ بیان کر دیا اور ثم کا لفظ ترویحہ پر دلیل ہے۔ کیونکہ ثم کا لفظ تاخیر اور مہلت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا چار پڑھ کر کچھ مہلت کے بعد اور چار پڑھتے۔ اس کے علاوہ ہم پوچھتے ہیں کہ درمیان التحیات بیٹھنے پر کیا دلیل ہے۔ اگر کہا جائے کہ ہم باقی نمازوں پر قیاس کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وتروں کو باقی نمازوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ وتر کا طریق ہی الگ ہے۔ دیکھیے پانچ وتر ایک ہی التحیات سے پڑھے جاتے ہیں اور نو دو التحیات سے اور سات پانچ کی طرح بھی اور نو کی طرح بھی تو وتروں کو باقی نمازوں پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو گا۔ فافہم

اس کے علاوہ ایک صریح روایت بھی ہے کہ آپ تین وتر میں درمیان نہیں بیٹھتے تھے۔ تلخیص میں ہے:
اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يَجْلِسُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ احمد والنسائی والبیہقی والحاکم من روایۃ عائشۃ (تلخیص ص۱۱۶)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے۔ درمیان نہیں بیٹھتے تھے۔ (روایت کیا اس کو احمد اور نسائی اور بیہقی اور حاکم نے حضرت عائشہ کی روایت سے۔

رہا قنوت سے پہلے تکبیر کہنا سو اس کی بابت حدیث میں کچھ تصریح نہیں آئی اور سلف کا اس میں اختلاف ہے تو بہتر ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس کی بابت دلیل کی رو سے پوری تشفی نہ ہو۔ ہاں ہاتھ اٹھانا دعا میں بے شک ثابت ہے اور دعا قنوت بھی ایک دعا ہے تو اس وجہ سے اس میں بھی ہاتھ اٹھا سکتا ہے خصوصاً جبکہ بہت سے سلف کا عمل بھی اس پر ہے (ملاحظہ ہو قیام اللیل ص۱۳۴) البتہ جس طریق سے حنفیہ اٹھاتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین کر کے ہاتھ باندھ لیتے ہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح مولوی اشرف علی کا رکوع سے پہلے دعاء قنوت کا ثابت کرنا اور اسی پر حصر کرنا۔ یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ پہلے پیچھے دونوں طرح سے ثابت ہے پس دونوں پر فتوے چاہیے بلکہ خود ابی بن کعب جن سے مولوی اشرف علی نے رکوع سے پہلے ہونے کی روایت کی ہے انہی سے پیچھے کی بھی روایت ہے (ملاحظہ ہو قیام اللیل ص۱۳۳) پس ایک میں حصر ٹھیک نہیں بلکہ بہتر بعد میں ہے۔ کیونکہ زیادہ روائتیں اس پر ہیں۔ فافہم

سوال

مولوی اشرف علی صاحب! ابی بن کعب جن سے آپ نے رکوع سے پہلے دعا قنوت کا پڑھنا ثابت کیا ہے وہ صرف رمضان کے نصف اخیر میں دعا قنوت پڑھا کرتے تھے[1] اور حنفیہ بارہ ماہ پڑھتے ہیں تو کیا آپ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں یا ابی بن کعب کے ساتھ؟ اگر ابی بن کعب کے ساتھ ہوں تو تقلید چھوٹتی ہے۔ اگر حنفیہ کے ساتھ ہوں تو آیت کریمہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ صادق آتی ہے۔ اب بتلایئے آپ کی کیا مرضی ہے ——؟ ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن!
مصلحت بیں وکار آساں کن!

---

[1] ملاحظہ ہو قیام اللیل ص۱۳۱

تنبیہ

تین وتر میں سلف کا اختلاف ہے بعض تین کے قائل ہیں بعض نہیں۔ چنانچہ قیام اللیل کے صفحہ ۱۲۶ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن صحیح احادیث سے ثابت ہیں تو بعض کا قائل نہ ہونا مضر نہیں۔ اسی طرح تین سے کم وبیش کو سمجھ لینا چاہیئے۔

○

مسئلہ تراویح

چونکہ یہاں وتروں کے مسئلے کا ذکر تھا اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ تراویح کا مسئلہ بھی ذکر کر دیں۔ قیام اللیل میں ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ اِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ وَ فِيْ رِوَايَةٍ كَانَ يُصَلِّيْ مَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلَی الْفَجْرِ اِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ اثْنَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ وَ فِيْ اُخْرٰی كَانَ يُصَلِّيْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً بِرَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَةَ رَكْعَةً (قیام اللیل صفحہ ۹۱)

یعنی عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ عشاء سے فجر تک گیارہ پڑھا کرتے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ فجر کی سنتوں سمیت تیرہ اور ایک روایت میں ہے کہ رمضان غیر رمضان میں گیارہ پر زیادہ نہیں کرتے تھے۔

یہ سب روایتیں مسلم میں بھی موجود ہیں اور اسی کے قریب قریب بخاری میں بھی ہیں۔ اب ان سب کے ملانے سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ آپؐ کی تراویح یا تہجد جو کچھ تھی یہی تھی کیونکہ عشاء سے فجر تک ساری نماز رمضان غیر رمضان کی یہی ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایتوں میں فجر کی سنتیں بھی شامل کر لی ہیں اگر محض تہجد بتلانی مقصود ہوتی تو فجر کی سنتوں کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں شاذ ونادر آپ نے فجر کی سنتوں کے بغیر بھی تیرہ ۱۳ پڑھی ہیں اور اخیر عمر میں آپؐ نے کمزوری کی وجہ سے گیارہ سے بھی کم کر دی تھیں مگر اکثری حالت رمضان غیر رمضان میں گیارہ

ہی کی تھی اس لیے گیارہ ہی پر اکتفا کیا۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے کسی رات صبح تک قیام کیا ہو اور ابی ذرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک ہی آیت میں صبح کر دی چنانچہ یہ دونوں روایتیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں اور بعض ایسی اور بھی ہیں تو ان میں بھی موافقت کی یہی صورت ہے، کہ شاذ و نادر ہی آپ صبح تک جاگے ہیں ورنہ اکثری حالت آپ کی یہی تھی کہ کچھ سو جاتے کچھ جاگتے۔

اس قسم کے واقعات کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارا شعبان روزے رکھتے تھے اور دوسری روایت میں حضرت عائشہ سے آیا ہے کہ رمضان کے سوا کسی ماہ کے سارے روزے آپ نے نہیں رکھے، تو علماء نے ان دونوں میں یوں موافقت کی ہے کہ شعبان کے چونکہ بہت تھوڑے دن افطار کرتے تھے اس لیے پہلی روایت میں مبالغہ کے لیے کہہ دیا کہ سارا شعبان روزے رکھتے تھے ورنہ درحقیقت رمضان کے سوا کسی مہینہ کے سارے روزے آپ نے نہیں رکھے۔ (ملاحظہ ہو ترمذی صفحہ ۱۳۱ باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان۔) ——————

ایک اور طریق سے آٹھ تراویح کا ثبوت

بخاری میں ہے: ——————

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَةَ رَکْعَةً (بخاری صفحہ ۱۵۴)

یعنی ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ اس نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامِ رمضان کی بابت سوال کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان، غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

قیامِ رمضان تراویح کو کہتے ہیں یہ قدیمی اصطلاح ہے۔ فقہ اور حدیث کی کتابوں میں جہاں قیامِ رمضان کا باب باندھتے ہیں وہاں تراویح ہی مراد ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ اور مشکوٰۃ وغیرہ۔

پس جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ قیامِ رمضان سے تراویح ہی مراد ہوتی ہے تو اب ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد اور تراویح ایک ہی تھیں کیونکہ ابو سلمہ نے قیامِ رمضان یعنی تراویح سے سوال کیا ہے جس کا

جواب حضرت عائشہ نے یہ دیا ہے کہ آپ گیارہ رکعت پڑھتے تھے لیکن غیر رمضان کا ذکر کر کے یہ بات بھی سمجھا دی کہ جو غیر رمضان میں آپؐ کی تہجد ہوتی تھی وہی رمضان میں آپ کی تراویح تھی۔

علامہ زیلعی حنفیؒ نصب الرایہ جلد اول ص۲۹۳ میں لکھتے ہیں:۔

رَوَى ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ وَالطَّبْرَانِيُّ وَعَنْهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ أَبِيْ شَيْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ وَهُوَ مَعْلُوْلٌ بِأَبِيْ شَيْبَةَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضُعْفِهٖ وَلَيَّنَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ ثُمَّ أَنَّهُ مُخَالِفٌ لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً الحديث انتہی ملخصا

یعنی ابن ابی شیبہ نے اور طبرانی نے اور اس سے بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں وتر کے سوا بیس رکعت پڑھتے تھے اور یہ روایت ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے بیمار ہے کیونکہ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور ابن عدی نے کامل میں اسے کمزور کہا ہے۔ پھر یہ صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ابوسلمہ نے نماز رمضان کا سوال کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان غیر رمضان میں گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

کمال ابن الہمامؒ جو حنفیہ کے مسلمہ امام ہیں فتح القدیر جلد اول ص۱۹۵ میں یہ (حضرت عائشہ کی) حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔

وَأَمَّا مَا رَوَى ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهٖ وَالطَّبْرَانِيُّ وَعَنْهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ فَضَعِيْفٌ بِأَبِيْ شَيْبَةَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضُعْفِهٖ مَعَ مُخَالَفَةِ لِلصَّحِيْحِ ــــــــ

یعنی جو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور طبرانی نے اور اس سے بیہقی نے ابن عباس کی حدیث

روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں وتر کے سوا بیس رکعت پڑھتے تھے یہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے پھر باوجود ضعیف ہونے کے یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے یعنی بخاری کی حدیث کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

ابن الہمام اور علامہ زیلعی کی اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ بخاری کی حدیث میں قیام رمضان سے مراد تراویح ہے کیونکہ اگر تراویح مراد نہ ہو تو بیس والی حدیث اس کے مخالف نہیں ٹھہرتی حالانکہ ابن الہمام اور علامہ زیلعی بیس والی کو اس کے مخالف بتلا رہے ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سفر فتح المنان میں لکھا ہے۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تراویح کا بیان نہیں یہ محض ان کی من گھڑت بات ہے حالانکہ مقلد اپنی طرف سے کچھ کہنے کا مجاز نہیں۔ مگر خدا کی شان یہ لوگ ایسے موقعہ پر پکے غیر مقلد بن جاتے ہیں یہ خیال نہیں کرتے کہ جب ہم خود احادیث سے مسائل ثابت کرنے پر قادر ہیں تو پھر تقلید کی کیا ضرورت رہی۔ اللہ تعالیٰ اس دورنگی سے بچائے۔

ایک اور طریق سے آٹھ تراویح کا ثبوت

قیام اللیل میں ہے:۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ لَيْلَةً ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَالْوِتْرَ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْقَابِلَةِ اِجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا اَنْ يَّخْرُجَ اِلَيْنَا فَلَمْ نَزَلْ فِيْهِ حَتّٰى اَصْبَحْنَا قَالَ اِنِّيْ كَرِهْتُ وَخَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ وَبِهٖ عَنْ جَابِرٍ جَاءَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ قَالَ مَاذَاكَ يَا اُبَيُّ قَالَ نِسْوَةٌ دَارِيْ قُلْنَ اِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ نُصَلِّيْ خَلْفَكَ بِصَلَاتِكَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَالْوِتْرَ فَسَكَتَ عَنْهُ وَكَانَ شِبْهُ الرِّضٰى۔ (قیام اللیل ص۹۰)

یعنی جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ہمیں ایک رات آٹھ رکعت مع وتر پڑھائیں پس آئندہ رات ہم جمع ہوئے اور امید رکھی کہ نکلیں گے پس ہم ایسی حالت میں رہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نہیں نکلے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ فرمایا میں

نے اچھا نہ سمجھا اور ڈر گیا کہ کہیں وتر تم پر فرض نہ ہو جائیں۔ نیز جابر سے روایت ہے کہ ابی بن کعبؓ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ کہا یا رسول اللہ مجھ سے آج رات ایک بات ہو گئی۔ فرمایا کیا۔ کہا یا رسول اللہ ہماری حویلی کی عورتیں اکٹھی ہو کر کہنے لگیں کہ ہم قرآن مجید نہیں پڑھ سکتیں۔ پس ہم تیری نماز کے ساتھ نماز پڑھیں گی۔ پس میں نے ان کو آٹھ رکعت مع وتر پڑھائیں۔ پس آپ چپ ہو گئے اور یہ مشابہ رضا کے تھا۔

مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان ص۱۱۵ میں ہے:۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَ تَمِيْمًا الدَّارِيَّ أَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِإِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَا مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ (رواه مالك)

یعنی سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھائیں اور قاری مئین (یعنی سو سو آیت والی سورتیں پڑھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ہم قیام کے لمبا ہونے کے باعث ٹیک لگاتے۔ پس ہم نہیں فارغ ہوتے تھے مگر قریبؑ فجر کے (روایت کیا اس کو مالک نے۔)

قیام اللیل میں اسی روایت کو ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

وَ فِيْ رِوَايَةٍ كُنَّا نُصَلِّيْ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً وَ لٰكِنْ وَاللّٰهِ مَا كُنَّا نَخْرُجُ إِلَّا فِيْ وِجَاهِ الصُّبْحِ كَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ

ؑ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ ایک روز باہر نکلے تو لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر فرمایا کہ اخیر رات کی نماز جس سے یہ لوگ سو جاتے ہیں اس پہلی رات کی نماز سے بہتر ہے۔ اس سے آج کل کے بعض حنفیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ تراویح تہجد سے الگ ہیں کیونکہ حضرت عمر کا اس کہنے سے مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ پہلی رات کی نماز یعنے تراویح پڑھ کر اخیر رات تہجد بھی پڑھیں لیکن حنفیہ کا یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ لوگوں کے قریب فجر کے فارغ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر کے اس کہنے پر یوں عمل کیا کہ جو نماز وہ پڑھتے تھے اسی کو لمبا کر دیا۔ اگر تہجد الگ ہوتی تو الگ پڑھتے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد اور تراویح ایک ہوتی تھی تو حضرت عمر دو کس طرح قرار دے سکتے تھے۔ اس کہنے سے ان کا مقصود دو نمازیں تبلانا نہیں تھا بلکہ وقت کی فضیلت بیان کرنا تھا۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ اخیر رات تراویح کی زیادہ فضیلت ہے۔ فافہم ——————

خَمْسِيْنَ اٰيَةً سِتِّيْنَ اٰيَةً وَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبِ الْقُرَظِيُّ كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُطِيْلُوْنَ فِيْهَا الْقِرَاءَةَ وَ يُوْتِرُوْنَ بِثَلٰثٍ ———— (قیام اللیل ص۹۱)

یعنی ایک روایت میں ہے کہ ہم عمرؓ کے زمانہ میں تیرہؔ رکعت پڑھتے تھے لیکن قسم ہے اللہ کی کہ ہم نہیں فارغ ہوتے تھے مگر سامنے یعنی قریب فجر کے۔ قاری پچاس ساٹھ آیتیں ہر رکعت میں پڑھتا تھا اور محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعتؔ لمبی قراءت کے ساتھ اور وتر پڑھتے۔

عمدۃ الرعایہ میں ہے :————

وَ اَمَّا الْعَدَدُ فَرَوَى ابْنُ حِبَّانَ وَ غَيْرُهٗ اَنَّهٗ صَلّٰى بِهِمْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَ ثَلٰثَ رَكْعَاتٍ وِتْرٌ نَعَمْ ثَبَتَ اِهْتِمَامُ الصَّحَابَةِ عَلٰى عِشْرِيْنَ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ فَمَنْ بَعْدَهُمْ اخرجه مالك و ابن سعد و البيهقي وغيرهم (عمدۃ الرعایۃ ص۱۹۶)

یعنی عدد تراویح کی بابت ابن حبان وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تین راتوں میں جن میں لوگوں کو جماعت سے تراویح پڑھائی ہیں آٹھ تراویح اور تین وتر پڑھے ہیں۔ ہاں صحابہ کا اہتمام حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور بعد کے زمانہ میں بیس پڑھنا ثابت ہے۔

فتح القدیر جلد اول ص۱۶۷ میں صحیح ابن حبان سے اور سبل السلام ص۱۳۷ میں صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ :————

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح اور وتر پڑھے"۔

خلاصہ ان روایتوں کے ملانے سے یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تراویح آٹھ پڑھی ہیں اور حضرت عمرؓ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا ہے۔ ہاں حضرت عمرؓ وغیرہ کے زمانہ میں بیس پڑھی گئی ہیں۔ حضرت عمرؓ کا خود پڑھنا یا حکم دینا بالکل ثابت نہیں۔ تو اب اصل تراویح تو آٹھ ہی ہوئیں باقی نوافل۔ اسی لیے حنفیہ کے مسلمہ امام کمال ابن الہمام فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد اول ص۱۹۸ میں آٹھ تراویح کا ذکر کر کے لکھتے ہیں :-

---

۱؎ تراویح تو ان میں سے آٹھ ہی ہیں وتر یا پانچ پڑھے ہوں گے تو تیرہ ہو گئیں۔ فافہم

۲؎ اصل سنت طریق تو آٹھ ہی ہیں باقی مستحب ہیں چنانچہ آگے تفصیل آتی ہے۔

فتکون العشرون مستحبا وذلک القدر منها سنة کالاربع بعد العشاء مستحبة وركعتان منها هي سنة وظاهر کلام المشائخ ان السنة عشرون ومقتضى الدليل ما قلنا فالاولى حينئذ ما هو عبارة القدوری من قوله مستحبا

یعنی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت مؤکدہ آٹھ ہیں اور باقی زوائد اور مستحب ہیں۔

اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین راتوں میں جن میں آپ نے تراویح کی جماعت کرائی تھی بیس پڑھی تھیں اور دلیل اس پر مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ وہ روایت دلیل ہونے کے قابل نہیں۔ اس میں ایک راوی بالاتفاق ضعیف ہے جس کا نام ابراہیم بن عثمان ابی شیبہ ہے۔ چنانچہ ابھی فتح القدیر اور نصب الرایہ زیلعی کے حوالہ سے گزرا ہے۔ اسی طرح تلخیص الحبیر میں امام ابن حجر نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ ابوشیبہ ضعیف ہے اور عینی حنفی نے شرح بخاری اور سبل السلام شرح بلوغ المرام میں امام احمد ابن معین۔ بخاری اور نسائی بڑے بڑے محدثین سے اس کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ شعبہ سے اس کا کاذب ہونا نقل کیا ہے اور میزان الاعتدال میں نسائی اور بخاری[1] سے اس کا متروک ہونا نقل کیا ہے۔ یعنی محدثین نے اس کو ردی سمجھ کر بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح سبل السلام ۱۳ میں خادم مصنفہ زرکشی سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے صحابہ کے ساتھ بیس رکعت نماز پڑھی تھی یہ صحیح نہیں۔ اسی طرح سبل السلام ۱۳ میں مصنفہ اذرعی سے اس روایت کا منکر ہونا نقل کیا ہے۔ اسی طرح تہذیب الکمال اور تقریب وغیرہ میں بڑے شد ومد سے ابی شیبہ کا ساقط اور متروک ہونا بیان کیا ہے۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے تو باوجود ضعیف ہونیکے بھی لائق استدلال ہو گی تو یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ اول تو کئی طرق اس کے ثابت نہیں ہوئے اور اگر بالفرض ثابت ہو جائیں تو چونکہ یہ بوجہ ابی شیبہ کے بہت ضعیف ہے، کسی صورت میں بھی لائق استدلال نہیں ہو سکتی۔ کئی طرق سے مروی ہو کر وہ روایت لائق استدلال ہوتی ہے جس میں تھوڑا ضعف ہو۔ اس کے علاوہ جب حضرت عائشہؓ جو آپؐ کے حال سے زیادہ واقف تھیں، صحیح حدیث میں فرماتی ہیں کہ آپؐ نے رمضان غیر رمضان میں گیارہ

---

[1] میزان الاعتدال میں ہے کہ بخاری نے اس کے حق میں سکتوا عنه کہا ہے یعنی محدثین اس سے چپ ہو گئے ہیں اور تدریب الراوی میں ہے کہ بخاری یہ کلمہ اس شخص کے حق میں کہتے ہیں جو محدثین کے نزدیک متروک ہو۔

رکعت ہی پڑھی ہیں اور صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی جابر سے یہی روایت ہے کہ آپؐ نے اس رات آٹھ رکعت پڑھی ہیں اور خود حنفیہ (جیسے امام ابن الہمامؒ) اس کے قائل ہیں کہ حضرت نے گیارہ رکعت ہی پڑھی ہیں تو اب کسی حنفی کا بیس والی ضعیف روایت کو اس کے مقابلہ میں پیش کرنا مذہبی پاسداری نہیں تو اور کیا ہے؟

ایسا مقلد بننا بھی انسان کے لیے اچھا نہیں کہ صحیح کو چھوڑ کر ضعیف کو ترجیح دے۔ ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ جب مقلدین اپنی حدیث کی صحت ثابت نہیں کر سکتے تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے اس لیے یہ لائق استدلال ہے مگر اس بات کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اصول حدیث کی کتابوں میں (جیسے شرح نخبہ وغیرہ) اس کی دو شرطیں لکھی ہیں:۔

ایک یہ کہ اس حدیث میں تھوڑا ضعف ہو جیسے حافظہ میں کچھ کمی ہونا۔ بہت ضعیف نہ ہو جیسے جھوٹا ہونا یا جھوٹ کے ساتھ متہم ہونا یا متروک ہونا یا ساقط یا فاسق ہونا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری شرط یہ کہ اس کے مقابلہ میں صحیح حدیث نہ ہو۔

اور بیس رکعت والی حدیث کا اول تو کئی طرق سے مروی ہونا ہی ثابت نہیں۔ باقی دو شرطوں کا پایا جانا تو کجا اور بعض لوگ جو یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ تراویح آپ نے ساری رات بھی پڑھی ہیں تو کیا ساری رات میں گیارہ ہی پڑھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ گیارہ تو کیا اگر قیام رکوع سجود لمبا ہو اور قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے تو تھوڑا سا قرآن مجید پڑھنے میں گیارہ سے کم میں بھی ساری رات گزر سکتی ہے۔ ہاں اگر کوئی صاف روایت بیس کی ہو تو ہم ماننے کو تیار ہیں، لیکن کوئی صاف روایت ایسی نہیں آئی اور جو آئی ہے وہ ضعیف ہے بلکہ اس میں ایک اور خرابی بھی ہے۔ وہ یہ کہ اس روایت میں ہے کہ آپؐ بیس بغیر جماعت کے پڑھتے تھے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار بحوالہ بیہقی) پس ثابت ہوا کہ اصل تراویح آٹھ ہی ہیں۔ ہاں اگر کوئی نوافل زیادہ پڑھنا چاہے تو اس پر کوئی انکار نہیں بلکہ خیر قرون میں بیس سے بھی زیادہ پڑھی گئی ہیں۔ زرارہ بن اوفیٰ چوبیس پڑھا کرتے تھے اور عمران عبدی پہلے بیس، اور اخیر دھاکے میں چوبیس پڑھا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر بھی چوبیس اور اخیر دہاکے میں اٹھائیس پڑھتے تھے اور عمر بن عبدالعزیز اور ابان بن عثمان کے زمانہ میں چھتیس پڑھتے تھے اور ابن سیرین کہتے ہیں معاذ ابوحلیم قاری اکتالیس پڑھتے تھے اور امام احمد بن حنبل سے امام اسحاق نے تراویح کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ ان میں کئی قسمیں ہیں۔ قریب قریب چالیس کے کہا گیا ہے۔ کوئی (جرح) نہیں نفل ہیں۔ اور امام اسحاق کہتے ہیں کہ میں چالیس ہی پسند کرتا ہوں اور امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے لوگوں کو

انتالیس پڑھتے بھی دیکھا ہے لیکن میرے نزدیک محبوب تر بیس ہی ہیں اور امام مالک چھتیس کو پسند کرتے۔ (ملاحظہ ہو قیام اللیل لمحمد بن نصر مروزی ص ۹۱-۹۲)

غرض کسی پر کوئی اعتراض نہیں۔ خواہ کوئی بیس پڑھے خواہ چوبیس پڑھے۔ خواہ چھتیس پڑھے خواہ اڑھتالیس پڑھے خواہ چالیس۔ اور قیام اللیل کے ص ۹۲ میں لکھا ہے کہ ابو مجلز سولہ پڑھتے تھے تو اگر کوئی سولہ پڑھنا چاہے تو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ ہاں اصل سنت آٹھ ہی ہیں کیونکہ دلیل اسی کو چاہتی ہے چنانچہ کمال ابن الہمام سے ہم نقل کر چکے ہیں اور احادیث بھی ذکر کر چکے ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اخیر میں بیس پر عمل درآمد ہونا شروع ہوگیا اور گیارہ ترک کر دی گئیں، یہ بالکل غلط ہے۔ اول تو اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ دوم امام مالکؒ جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس تراویح پڑھے جانے کی روایت نقل کی ہے وہ گیارہ ہی پسند کرتے تھے (ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری اور رسالۃ التراویح للسیوطی) اور شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ ماثبت بالسنہ میں لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں جو تابعین کا زمانہ ہے بعض سلف کا اس پر عملدرآمد رہا ہے۔

مسئلہ پانزدہم

نماز میں دعائے قنوت

"صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھے۔ مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۱۳ (میں ابو مالک اشجعی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے اور پانچ سال تک یہاں کوفہ میں حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات قنوت پڑھا کرتے تھے (یعنی نمازِ فجر میں کیونکہ یہ حدیث اس میں وارد ہے۔) انہوں نے کہا کہ بیٹا یہ بدعت ہے (روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے" ص ۴۶

جواب

یہ مسئلہ بھی اہلحدیث کا کوئی امتیازی مسئلہ نہیں کیونکہ دونوں طرح کی روایتیں آئی ہیں اور صحابہ کا عمل بھی دونوں طرح آیا ہے۔ چنانچہ قیام اللیل۔ زاد المعاد۔ نیل الاوطار۔ بلوغ المرام مع سبل السلام۔ بخاری۔ فتح الباری

میں اس کی تفصیل موجود ہے اس لیے اہلحدیث کا عمل دونوں طرح ہے کبھی پڑھ لیتے ہیں کبھی ترک کر دیتے ہیں شافعیہ ہمیشہ پڑھتے ہیں وہ ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو بلوغ المرام میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے رہے اور ابو مالک اشجعی کی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اثبات نفی پر مقدم ہے لیکن اس حدیث کی سند میں کچھ گفتگو ہے۔ اس لیے اہلحدیث اس مسئلہ میں نرم ہیں متقلدین کی طرح نہیں کہ اپنے مذہب کی موافق حدیث پر عامل ہو گئے باقی کو جواب۔ بلکہ سب احادیث کو ملانے سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اہل حدیث اس پر عامل ہوتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

حنفیہ کی نماز

مسائل اختلافی اگرچہ بہت ہیں لیکن مولوی اشرف علیؒ نے کل پندرہ ہی ذکر کیے ہیں اور ان کی تخصیص کی دو وجہیں بتلائی ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں شور و شغب بہت ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی کو یہ وسوسہ پیدا نہ ہو کہ نماز جو کہ افضل العبادات ہے اسی میں حنفیہ حدیث کے خلاف ہیں۔ چنانچہ اصل عبارت مولوی اشرف علیؒ کی ص۱۴ میں گزر چکی ہے لیکن مولوی اشرف علیؒ پر تعجب ہے کہ انہوں نے نماز کو افضل العبادات کہتے وقت یہ نہ سوچا کہ حنفیہ نے تو اس کو افضل العبادات سے خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے ارکان شرائط میں اتنی کمی کر دی ہے کہ دیکھنے والا اس کو افضل العبادات تو کیا عبادت ہی نہیں کہہ سکتا۔ دیکھیئے شرح وقایہ اور ہدایہ وغیرہ سے ثابت ہے کہ:۔

"اگر بسم اللہ پڑھ کر کتا ذبح کر کے اس کی کھال کا تہ بند بنا کر، کھجوروں کے شربت سے وضو کر کے، اللہ اکبر کی جگہ "خدا بزرگ تر است" کہہ کر قرآن مجید کی جگہ کسی آیت کا ترجمہ پڑھ کر، جس طرح مرغ چوگہ چگتا ہے اس طرح جلدی جلدی نیچے اوپر ہوتا جائے۔ نہ رکوع سے پیٹھ سیدھی کرے نہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھے۔ نہ رکوع سجود قومہ جلسہ میں کچھ پڑھے، یہاں تک کہ التحیات بھی نہ پڑھے اور سلام پھیرنے کی بجائے زور سے پاد دے تو بس اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا، خواہ فاتحہ وغیرہ کے ترک سے گنہگار ہی ہو جائے۔"

اب تبلایئے! کہ ان قواعد کا نام بھی کوئی نماز رکھ سکتا ہے؟ جس میں :——

- کتے کی کھال سے تو ستر ڈھانکے۔
- اور کھجوروں کے شربت سے وضو کرے تاکہ صفائی کی بجائے مکھیاں بھنبھنائیں۔
- اور اللہ اکبر کے سوا "خدا بزرگ تر است" کہے۔
- اور ایک آیت کے ترجمہ کے سوا اس کے منہ پر مہرِ سکوت لگی رہے۔
- اور اخیر میں دربارِ الٰہی سے رخصت ہوتے وقت پاد دے تاکہ رہا سہا خدا کا نام بھی مذاق میں اڑ جائے۔

حالانکہ ایسی حرکات ادنیٰ سے ادنیٰ انسان بھی اپنے سامنے پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ کے ہاں یہی افضل العبادات ہے تو اس کو دور ہی سے سلام۔ اس کو سن کر کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ مسلمان اس کو پسند کرے——

مولوی اشرف علی صاحبؒ! آپ حنفی مذہب کی کہاں تک اصلاح کریں گے۔ مجھ سے تو ایک ہی سن رکھیئے——ولن يصلح العطار ما افسده الدهر (یعنے زمانے کے فساد کی عطار اصلاح نہیں کر سکتا) ——پس اب اپنی قلم کو روکیے۔ میں بھی اب بس کرتا ہوں۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین

عبد اللہ روپڑی——امرتسری

۱۳۴۳ھ——————۱۹۲۵ء

مدرسہ شمس الحدیث بورے والا

محل وقوع: بورے والا محلہ محمد نگر عرف مرضی پورہ و ہاڑی روڈ ضلع ملتان

ناظم مدرسہ: مولانا اسد اللہ صاحب بھامبڑوی فاضل عربی، فاضل دار الحدیث اوکاڑہ اور فاضل دار الحدیث رجسٹرڈ منڈی راجووال ضلع ساہیوال۔

دیگر اساتذہ: حافظ محمد رفیق و محمد علی صاحبان۔ جناب ماسٹر کرم الدین صاحب میٹرک۔ ایس۔ وی

مختصر کوائف: ۱۳۸۵ھ بمطابق ۱۹۶۵ء میں مدرسہ ہذا کی مولانا اسد اللہ صاحب نے بنیاد رکھی اس میں تدریس کے لیے تین اور دار الاقامہ کے لیے ایک کمرہ ہے۔ فاضل عربی و فاضل فارسی کی تیاری بھی کرائی جاتی ہے۔ مدرسہ کا اپنا ذاتی کتب خانہ ہے۔ چار اخبار و رسائل بھی جاری ہیں۔ حفظ القرآن کا انتظام ہے۔ تعاون فرما کر اجر دارین حاصل کریں۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

مولانا اسد اللہ صاحب بھامبڑوی ناظم مدرسہ شمس الحدیث محمد نگر محلہ مرضی پورہ وہاڑی روڈ بورے والا ضلع ملتان

مدرسہ نصیر الاسلام موڑ کھنڈا تحصیل ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ

۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں مولانا محمد صادق صاحب، فاضل جامعہ محمدیہ اوکاڑہ و فاضل دار الحدیث راجووال نے بنیاد رکھی۔ ان کے معاون مدرس حافظ محمد حسین صاحب ہیں۔ مسجد زیر تعمیر ہے۔ چھت تک پہنچ چکی ہے اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل فرمائے۔ روزنامچے اور رسائل کا باقاعدہ انتظام ہے اور حفظ القرآن کا بندوبست ہے۔ مدرسہ ہذا خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:۔

مولانا محمد صادق صاحب ناظم مدرسہ نصیر الاسلام و بانی مسجد موڑ کھنڈا، ضلع شیخوپورہ

دارالعلوم شمس الہدیٰ شاہکوٹ نوشیخاں ریلوے اسٹیشن

***** کنگن پور ضلع لاہور *****

دارالعلوم کا محل وقوع: دارالعلوم ٹھینگ کنگن پور روڈ برلب پختہ سڑک، قصبہ ہذا کی شمال کی جانب واقع ہے۔

اساتذہ: مولانا محمد رمضان فاضل دارالحدیث اوکاڑہ۔ حافظ سیف اللہ فاضل دارالعلوم ڈھلیانہ و راجووال۔ قاری ظہیر الدین فاضل تقویۃ الاسلام لاہور۔

دارالعلوم کی جگہ اور تعمیر: دارالعلوم کا ساڑھے پانچ کنال کا پلاٹ ہے جس میں دو عدد کمرے پختہ ۱۸×۱۲ سائز کے، طلباء کی رہائش کے لیے اور مسجد پختہ جس کا ایک حصہ ۳۰×۱۲ سائز کا نماز اور تعلیم کے لیے تعمیر ہو چکا ہے اور ایک عدد کنواں، غسل خانہ اور طہارت خانے بھی تعمیر ہو چکے ہیں۔ دارالعلوم کا بہترین باغیچہ جس کی آب یاری کے لیے نلکا بھی لگوایا گیا ہے۔ نیز دارالعلوم میں بحمداللہ بجلی کا انتظام بھی ہے۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

مولانا محمد خالد ساقی ناظم دارالعلوم شمس الہدیٰ شاہکوٹ نوشیخاں۔ ضلع لاہور

نوٹ:۔ مولانا محمد خالد ساقی ناظم دارالعلوم ہذا آج کل مکہ معظمہ میں زیارت بیت اللہ سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری گناہ گار کی آنکھوں کو بھی زیارت (مع اقارب واحباب) نصیب فرمائے۔

مدرسہ دارالاسلام ریلوے اسٹیشن ڈھولن ہٹھاڑ ضلع لاہور

بانی وناظم مدرسہ: مولانا عبدالخالق صاحب فاضل خادم القرآن والحدیث جھوک داد دلائل پور و فاضل دارالحدیث راجووال (ضلع ساہیوال)۔

دیگر اساتذہ: مولانا عبیداللہ صاحب فاضل جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، حافظ مشتاق احمد صاحب ـــ مستند مدرسہ ہذا۔

مختصر کوائف: ۱۳۷۸ھ بمطابق ۱۹۵۸ء میں مولانا عبدالخالق صاحب نے درس و تدریس کی ابتداء جامع اہل حدیث میں کی اور دارالاسلام کی بنیاد رکھی۔ اس میں طلباء کے قیام کے لیے چھ کمرے اور ایک برآمدہ تعمیر کیا ہے۔ درس نظامی رائج ہے اور مدرسہ میں حفظ القرآن کا انتظام بھی ہے۔ طلباء کی مجموعی تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔ چالیس بیرونی ہیں۔ مدرسہ مخیر حضرات کی توجہ کا مستحق ہے۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

مولانا عبدالخالق صاحب ناظم دارالاسلام مقام وڈاکخانہ ڈھولن ہٹھاڑ ضلع لاہور

اقامتِ دین کی ایک تحریک — ایک عظیم دینی درسگاہ کا تعارُف

دارالحدیث (رجسٹرڈ) راجووال

محلِ وقوع جماعتِ اہلحدیث کا یہ عظیم الشان ادارہ مشہور اڈہ لاریاں منڈی راجووال میں برلبِ سڑک پختہ (قصور، دیپالپور) واقع ہے۔ اس دارالحدیث سے لاہور، قصور، ملتان، بورے والا، بہاول نگر، کنگن پور، چونیاں اور اوکاڑہ کو بسیں چلتی ہیں۔

مختصر کوائف و تاریخ ۱۳۶۸ھ (۱۹۴۹ء) میں مقامی و بیرونی احباب کے مشورہ سے راقم الحروف نے اس درسگاہ کی بنیاد رکھی اور اس درسگاہ کو باقاعدہ ایکٹ نمبر ۲۱ (۱۸۶۰ء) کے مطابق بنام انجمن اہلحدیث رجسٹرڈ کرایا۔



زیرِ تعمیر جامع مسجد دارالحدیث کا بیرونی دروازہ

دارالعلوم میں تبدریج تعلیمی شعبے قائم کیے گئے۔ بفضلہ تعالیٰ بیس سال کی مختصر مدت میں تین صد سے زائد طلباء یہاں سے سند فراغت حاصل کر چکے ہیں بحفاظ اور ناظرہ قرآن مجید کی تکمیل کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔

دارالحدیث کے قدیمی طلباء میں سے بائیس خطیب ہیں، دس ہائی سکولوں میں عربی ٹیچر ہیں، پندرہ مدارس عربیہ میں اساتذہ ہیں اور متعدد حضرات دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان ممتاز طلبائے قدیم کی تعداد پچاس سے اوپر ہے۔



زیرِ تعمیر مسجد دارالحدیث راجووال (بیرونی منظر) شمالی جانب

تعداد اساتذہ دارالعلوم میں چار قابل ترین، درویش صفت، مخلص اور بے حد محنتی اساتذہ ہیں جو شب و روز اپنے تعلیمی فرائض کی بجاآوری کے سلسلے میں مصروف رہتے ہیں۔

عمارت دارالحدیث اپنی مستقل ذاتی عمارت میں واقع ہے جو کہ ساٹھ مرلے سے زائد اراضی پر مشتمل ہے، دارالاقامہ کے نو عدد کمرے پختہ تعمیر ہو چکے ہیں، اور

برآمدوں کی تجویز زیرِ غور ہے۔

دو منزلہ مسجد (دارالحدیث) نہ زیرِ تعمیر دارالعلوم کے سامنے دو منزلہ مسجد دارالحدیث زیرِ تعمیر ہے۔ بفضل اللہ تعالیٰ منزلِ اول کا لینٹر ڈالا جا چکا ہے۔ دوسری منزل کا کام بوجہ مالی کمزوری چھتوں پر آکر رک گیا ہے۔ صرف مسجد کی تعمیر کا تخمینہ اسّی ہزار روپے سے زاید ہے۔ ہمارے عزائم یہ ہیں کہ اس دارالحدیث میں ایک ایسی عظیم الشان مسجد تعمیر کی جائے جو جماعت کی جملہ ضروریات کی کفیل ہو۔ اللہ تعالیٰ غیبی مدد سے تکمیل فرمائے اور ہمیں اخلاص سے نوازے۔ آمین



دارالاقامۃ دارالحدیث رجسٹرڈ راجووال (مشرقی جانب)

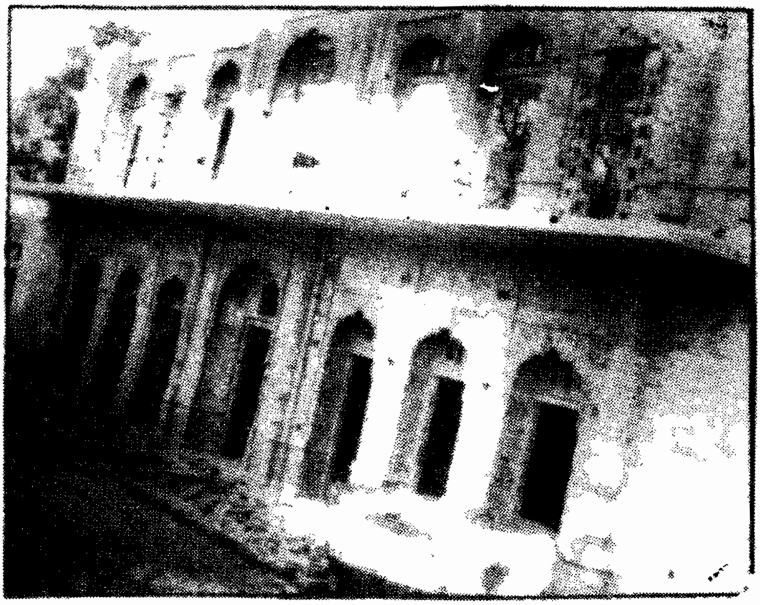
نصاب دارالعلوم میں درس نظامی رائج ہے اور مدرسہ کا سالانہ امتحان باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ نیز فاضل عربی اور ادیب عربی کے امتحان کی تیاری بھی کرائی جاتی ہے نیز حفظ و تجوید کا انتظام باقاعدہ ہے

کتب خانہ دارالعلوم کے کتب خانہ میں مختلف علوم و فنون کی چھوٹی بڑی کل چار ہزار

کتابیں موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابیں مراجع کی اور متعدد ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔

دارالمطالعہ سلیم لائبریری کے نام سے دارالعلوم میں ایک مستقل دارالمطالعہ قائم ہے۔ اس میں متعدد روزنامے اور رسائل وجرائد جاری ہیں جن سے اساتذہ کرام طلبائے عظام اور عوام استفادہ کرتے ہیں۔

تعداد طلباء امسال طلباء کی مجموعی تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔ ان میں درس نظامی کے طلباء ساٹھ ہیں۔ ان طلباء میں میٹرک پاس دس، مڈل پاس چھ ہیں، دورہ تفسیر وحدیث کے طلباء بارہ، عربی ابتدائی میں بیس اور وسطانی درجہ کے تیس۔ فارسی کے بیس اور شعبہ حفظ وتجوید وقرأت کے دس ہیں۔ مقامی طلباء یک صد پچیس اور بیرونی طلباء کی تعداد ساٹھ ہے جو مدرسہ کے دارالاقامہ میں مقیم ہیں۔



زیر تعمیر مسجد دارالحدیث راجووال (سامنے کا منظر)

شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم کی جانب سے باقاعدہ شعبہ نشر واشاعت قائم ہے جس کی طرف سے متعدد پوسٹر، پمفلٹ اور کتابیں وغیرہ باقاعدہ

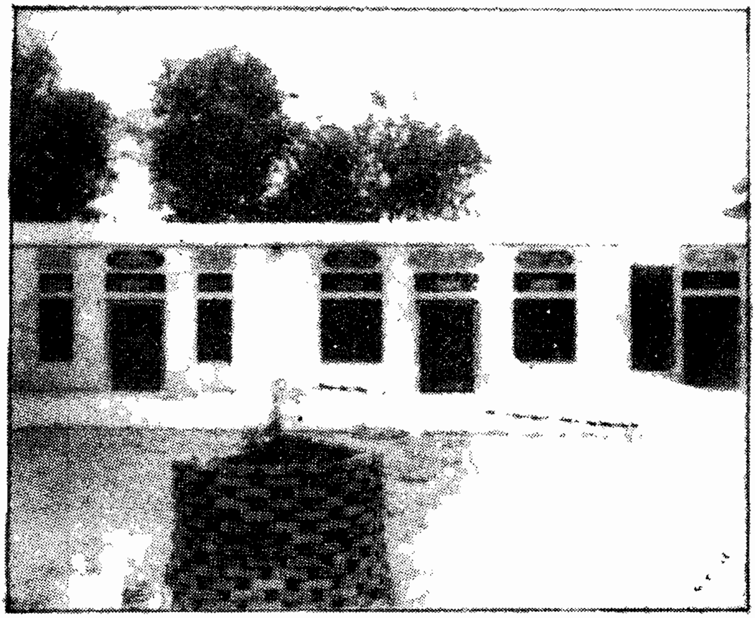
شائع کیے جاتے ہیں۔ اور یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس شعبہ کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو منظور فرمائے۔ آمین۔

دیگر عزائم

آئندہ منصوبہ میں متعدد تعلیمی اور رفاہی ادارے پیش نظر ہیں مثلاً پرائمری سکول۔ ڈسپنسری، ڈاکخانہ وغیرہ

داخلہ

داخلہ ہر سال اوائل شوال المکرم سے شروع ہوتا ہے اور مطلوبہ تعداد پوری ہونے پر بند کر دیا جاتا ہے۔



مکتبہ دار الحدیث رجسٹرڈ راجووال کا ایک منظر (جنوبی جانب)

اقامتِ دین کی تحریک کی خدمت کے سلسلہ میں

حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ فرماتے ہیں:۔

"سب سے بڑی نیکی، شریعتِ اسلام کی ترویج اور شریعت کے کسی حکم کو زندہ کرنا ہے۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ شعائر اسلام مٹتے چلے جا رہے ہوں

اور مٹائے جا رہے ہوں۔ دین اسلام کے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینا اور اس کی تبلیغ کرنا، کروڑہا روپیہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے افضل و اعلیٰ ہے۔ دینِ الٰہی کو زندہ کرنے کی نیت سے ایک کوڑی خرچ کرنا لاکھوں روپے کے برابر ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری نیت سے خرچ کیے جائیں۔"

دار العلوم کے نام کوئی مستقل جائیداد نہیں۔ صرف توکلاً علی اللہ جاری ہے۔ اللہ

دعا تعالیٰ ہم کو اپنے دین کی صحیح خدمت کی توفیق دے اور ہمیں اپنے مخلص بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین

جملہ خط و کتابت کا پتہ:۔

ابو السلیم **محمد یوسف** ناظم دار الحدیث جسبڑ منڈی راجووال۔ ضلع ساہیوال

۱۵۵۶

دارالحدیث راجووال

محلِ وقوع

جماعت اہل حدیث کا یہ عظیم الشان ادارہ مشہور اڈہ لاریاں منڈی راجووال میں برلب پختہ سڑک قصور، دیپال پور واقع ہے۔ اس دارالحدیث سے لاہور، قصور، ملتان، بورے والا بہاول نگر، گنگن پور، چونیاں، اور اوکاڑہ کو بسیں چلتی ہیں۔

داخلہ

ہر سال اوائل شوال المکرم سے شروع ہوتا ہے۔ فاضل عربی، ادیب عربی کی خصوصی تیاری کرائی جاتی ہے۔ نیز دارالعلوم میں حفظ و تجوید کا باقاعدہ انتظام ہے۔

دعا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مخلص بندوں میں شامل فرمائے اور ادارہ ہذا کو ہم سب کی طرف سے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

پتہ:-

ابوالسلیم غفرلہ الکریم، **محمد یوسف** خادم دارالحدیث رجسٹرڈ راجووال

ضلع ساہیوال پاکستان